www.cpsglobal.org

الرسالہ
Al-Risala

June 2010 • No. 403



پختگی نام ہے اس استعداد کا کہ کسی تلخی کے بغیر
ناخوش گوار اور مایوس کن حالات کا مقابلہ کیا جائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرسالہ

جاری کردہ 1976

اردو اور انگریزی میں شائع ہونے والا
اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی
مولانا وحید الدین خاں
صدر اسلامی مرکز

Al-Risala Monthly

1, Nizamuddin West Market
New Delhi-110 013
Tel. 24355454,41827083,
24356666, 46521511
Fax: 45651771
www.goodwordbooks.com
email: info@goodwordbooks.com

Subscription Rates
Single copy Rs. 10
One year Rs. 100
Two years Rs. 200
Three years Rs. 300

Abroad by Air Mail. One year $20

Printed and published by
Saniyasnain Khan on behalf of
Al-Markazul Islami, New Delhi.

Printed at Nice Printing Press,
7/10, Parwana Road,
Khureji Khas, Delhi-110 051

جون 2010

فہرست

قانونِ شریعت، قانونِ رحمت

قرآن کی سورہ نمبر 4 میں قانونِ وراثت کے ذیل میں ایک آیت آئی ہے۔اس کا ترجمہ یہاں نقل کیا جاتا ہے: ''اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت رشتے دار اور یتیم اور محتاج تو اُن کو کچھ دے دو اُس میں سے اور کہہ دو اُن کو معقول بات''۔(النساء: 8)

اِس کا مطلب یہ ہے کہ تقسیم میراث کے وقت اگر خاندان کے ایسے افراد وہاں آجائیں جن کو از روئے قانون میراث میں حصہ نہیں پہنچتا تو ان کو بھی ترکہ کے سامان میں سے کچھ دے دو، ان کو محروم نہ لوٹاؤ۔ بظاہر یہ میراث کی ایک آیت ہے، لیکن اِس میں دعا کے لیے ایک اہم پوائنٹ آف ریفرنس (point of reference) ملتا ہے۔ایک مومن جب اِس آیت کو پڑھے گا تو وہ تڑپ اٹھے گا۔ وہ کہے گا کہ خدایا، یہی معاملہ میرا جنت کی نسبت سے ہے۔ میرے پاس کوئی بھی ایسا عمل نہیں جو مجھ کو جنت کا مستحق بنائے۔لیکن میراث کی اِس آیت میں تو نے یہ اصول بتایا ہے کہ تقسیم میراث کے وقت اگر کچھ ایسے افرادِ خانہ وہاں آجائیں جواز روئے قانون اس میں حصہ پانے کے مستحق نہ ہوں، تب بھی ازراہِ شفقت اُن کو ترکہ کے سامان میں سے کچھ دے دو۔

قرآن کی اِس آیت میں ایک بندۂ مومن کے لیے عظیم تسکین (solace) کا سامان موجود ہے۔ اِس آیت کو لے کر ایک بندۂ مومن کہہ سکتا ہے کہ — خدایا، میں آخری حد تک ایک بے مایہ انسان ہوں، لیکن قرآن کی یہ آیت بتاتی ہے کہ تیری رحمت اتنی وسیع ہے کہ وہ غیر مستحق انسانوں تک بھی پہنچتی ہے۔ خدایا، تیری یہی رحمت میرے لیے امید کا سہارا ہے۔ تیرے اپنے قائم کردہ اِس اصول کے حوالے سے، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ عدم استحقاق کے باوجود تو مجھ کو اپنی رحمتوں میں حصے دار بنا دے۔ میرے جیسے غیر مستحق کو بھی تو اُس جنت میں جگہ دے دے جو صرف مستحق افراد کے لیے بنائی گئی ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ قانون شریعت کے مطابق، میں جنت کا مستحق نہیں، لیکن قانونِ رحمت کے مطابق، تو مجھ کو اپنی جنت میں داخل کر دے۔

اسمِ اعظم کے ساتھ دعاء

سب سے بڑی دعا وہ ہے جو ایک حقیقی پوائنٹ آف ریفرنس (point of reference) کے حوالے سے کی جائے، موت اِسی قسم کا ایک بہت بڑا پوائنٹ آف ریفرینس ہے۔ اگر کوئی شخص اس پوائنٹ آف ریفرنس کو دریافت کرلے تو وہ ایک ایسی دعا کرسکتا ہے جس کو حدیث میں اسمِ اعظم کے ساتھ دعا کرنا بتایا گیا ہے۔ موت کیا ہے۔ موت زندگی کا خاتمہ نہیں ہے، بلکہ وہ موجودہ زمین پر رہائش کا خاتمہ ہے۔ موجودہ زمین پر انسان کے لیے وہ سب کچھ مہیا کیا گیا ہے جس کی اسے بحیثیت انسان ضرورت ہے۔ موت جب آتی ہے تو یہ ہوتا ہے کہ اچانک مرنے والے کو موجودہ سیارۂ ارض سے محروم کردیا جاتا ہے۔ لیکن سیارۂ ارض پر جو کچھ انسان کو ملا ہے، وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے اس کے اپنے کسب (earning) کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ وہ تمام تر اللہ کے یک طرفہ عطیہ کا نتیجہ ہے۔ آدمی ملی ہوئی چیزوں کو فارگرانٹیڈ (for granted) طور پر لیتا رہتا ہے، اس لئے وہ اِس حقیقت سے بے خبر رہتا ہے۔ اگر آدمی دنیا میں ملی ہوئی چیزوں کو عطیۂ الٰہی کی حیثیت سے دریافت کرلے تو یہ دریافت اس کے لئے ایک عظیم پوائنٹ آف ریفرنس بن جائے گی۔

جس انسان کو شعوری طور پر اِس حقیقت کی دریافت ہوجائے، وہ پکار اٹھے گا کہ خدایا، موت سے پہلے کی زندگی میں بھی میں کامل طور پر عاجز تھا، لیکن تو نے اپنی رحمت سے بلا استحقاق مجھے یک طرفہ طور پر تمام چیزیں دے دیں، موت کے بعد کی زندگی میں بھی دوبارہ میں اپنے آپ کو کامل طور پر عجز کی حالت میں پاؤں گا۔ خدایا، جس طرح تو نے موت سے پہلے کی زندگی میں میرے عجز کی کامل تلافی فرمائی، اسی طرح تو موت کے بعد کی زندگی میں بھی میرے عجز کی کامل تلافی فرما، مجھے وہ تمام چیزیں مزید اضافہ کے ساتھ دے دے جو تو نے موت سے پہلے کی زندگی میں مجھے عطا کی تھیں۔

اِس پوائنٹ آف ریفرنس کے ساتھ نجاتِ آخرت کی دعا کرنا، بلاشبہہ اسم اعظم کے ساتھ دعا کرنا ہے، جس کی قبولیت کی بشارت دی گئی ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس اسمِ اعظم کے حوالے سے دعا کرنے کی توفیق پائیں۔

قانونِ التباس

قرآن کی سورہ نمبر 6 میں بتایا گیا ہے کہ پیغمبر کے منکرین نے کہا کہ اگر اللہ کو اپنا پیغام ہمارے پاس بھیجنا تھا تو وہ فرشتے کے ذریعے اپنا پیغام بھیجتا، تاکہ ہمیں اس کی حیثیت کے بارے میں شبہہ نہ ہو اور ہم کسی اشتباہ کے بغیر اس کا اقرار کرلیں۔ اِس کے جواب میں فرمایا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ فرشتے کو پیغمبر کی حیثیت سے بھیجتا تو اُس کو بھی انسان بنا کر بھیجتا اور: **وللبسنا عليهم ما يلبسون** (الأنعام: 9) یعنی ہم پھر بھی اُن کو اُسی شبہہ میں ڈال دیتے جس شبہہ میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔

یہ کوئی منفرد واقعہ نہیں، اِس آیت میں دراصل اللہ کے عام قانونِ التباس کو بتایا گیا ہے۔ اللہ نے انسان کو چوں کہ آزمائش کے لیے پیدا کیا ہے، اِس لیے اِس دنیا میں ہمیشہ ہر معاملے کے ساتھ ایک شبہہ کا عنصر (element of doubt) موجود رہتا ہے۔

یہ موجودہ دنیا کے لیے ایک عام قانون ہے کہ یہاں ہر واقعے کے ساتھ شبہہ کا ایک عنصر شامل رہے۔ اِس دنیا میں ہدایت صرف اُس شخص کو ملتی ہے جو اپنے شعور کو متحرک کرکے شبہہ کے پردے کو پھاڑے، اور شبہہ کے باوجود حقیقت کو کامل یقین کے ساتھ دریافت کرسکے۔

قانونِ التباس کا یہ معاملہ تمام پیغمبروں کے ساتھ موجود تھا۔ اِسی طرح یہ معاملہ قیامت تک ہمیشہ باقی رہے گا۔ جب بھی کوئی داعی، سچا مصلح اور سچا مجدد اٹھے گا تو اس کی شخصیت کے ساتھ لازماً شبہہ کا یہ عنصر شامل رہے گا، حتی کہ آخری زمانے میں ظاہر ہونے والے مہدی اور مسیح کا معاملہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ مہدی اور مسیح کی شخصیت کے ساتھ بھی شبہہ کے اسباب لازماً موجود رہیں گے۔

پیغمبر کی طرح مہدی اور مسیح کو بھی وہی لوگ پہچانیں گے اور اُن کا ساتھ دیں گے جو شبہہ کے پردے کو پھاڑنے کی نادر صلاحیت رکھتے ہوں۔ اِس دنیا کے لیے خدا کا قانون یہ ہے کہ یہاں کوئی اعلیٰ سعادت صرف اُس شخص کو ملے جو شبہات سے بلند ہو کر سچائی کو پہچانے اور یقین کے ساتھ اس کا مکمل ساتھ دے سکے۔

اصل یہ ہے کہ موجودہ دنیا آزمائش (test) کے لیے بنائی گئی ہے۔ اِس بنا پر یہاں حقیقتوں کو دو اور دو چار کی طرح نہیں کھولا گیا ہے۔ یہاں ہر حقیقت کے ساتھ شبہہ کا عنصر (element of doubt) موجود ہے۔ یہ اصول پیغمبر کے زمانے میں بھی تھا اور وہ آئندہ بھی قیامت تک باقی رہے گا۔

حدیث میں بتایا گیا ہے کہ قیامت سے پہلے دجّال اور مہدی اور مسیح کا ظہور ہوگا۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ دجال اور مہدی اور مسیح کا معاملہ مذکورہ قانونِ عام سے مستثنیٰ نہیں۔

اِس قانونِ عام کے مطابق، ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ دجال اور مہدی اور مسیح کا ظہور اِس طرح برہنہ انداز میں ہو کہ لوگ کسی شبہہ یا کسی مغالطہ کے بغیر اُن کو جان لیں اور فوراً اُن کے معاملے میں اپنے مطلوب رویّے کو اختیار کرلیں۔ دجال اور مہدی اور مسیح کے ساتھ یقینی طور پر اُسی طرح شبہہ کا عنصر موجود رہے گا، جس طرح وہ اِس سے پہلے پیغمبروں کے ساتھ موجود تھا۔

حدیث میں بیان کردہ علامتیں بتاتی ہیں کہ قیامت اب بہت قریب ہے۔ اِس اعتبار سے غالباً یہ کہنا درست ہوگا کہ دجال اور مہدی اور مسیح کا ظہور ہو چکا ہے۔

ضرورت ہے کہ لوگ اِس معاملے میں کامل سنجیدگی کے ساتھ متجسس (curious) بنیں اور اپنے ایمانی تقاضوں کو پورا کریں، تاکہ ایسا نہ ہو کہ تاریخ کا کاؤنٹ ڈاؤن (countdown) اپنی آخری گنتی پر پہنچ جائے اور فرشتہ اسرافیل قیامت کا صور پھونک دے۔

جب ایسا ہوگا تو اس کے بعد کسی کے لیے نہ توبہ کا وقت ہوگا اور نہ اعتراف کا۔ صورِ اسرافیل سے پہلے تمام حقیقتیں شبہہ کے پردے میں ہیں، صورِ اسرافیل اِس پردے کو پھاڑ دے گا اور اس کے بعد تمام حقیقتیں عیاناً سامنے آجائیں گی۔

ظلم کیا ہے

قرآن کی سورہ نمبر 31 میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا سب سے بڑا ظلم ہے (لقمان: 13)۔لغوی اعتبار سے ظلم کا مطلب ہے: **وضع الشیئ فی غیر موضعه (المفردات للراغب الأصفهانی)** یعنی کسی چیز کو اس کے اصل مقام کے علاوہ کسی اور مقام پر رکھنا۔

اصل یہ ہے کہ انسان کے اندر فطری طور پر دو انتہائی طاقت ور جذبہ رکھا گیا ہے— استعجاب (awe) کا جذبہ، اور رحم (mercy) کا جذبہ۔ صحیح یہ ہے کہ اِن دونوں قسم کے جذبات کو اس کے اصل مقام پر رکھا جائے۔ کسی اور چیز کو ان جذبات کا مرکز نہ بنایا جائے۔ استعجاب کے جذبے کا صحیح استعمال یہ ہے کہ اس کو صرف اللہ واحد کے ساتھ وابستہ کیا جائے۔ اِسی کا نام توحید ہے۔ اِس جذبے کا مرکز کسی غیر اللہ کو بنانا شرک ہے، اور شرک ایک ناقابل معافی جرم کی حیثیت رکھتا ہے۔ گویا کہ شرک نام ہے ایک صحیح جذبے کے غلط استعمال کا:

Wrong association of right sentiment.

یہی معاملہ جذبۂ رحم کا بھی ہے۔ انسان کے اندر گہرا جذبۂ رحم دعوتی مقصد سے رکھا گیا ہے، یعنی آخرت کے عذاب سے انسان کو بچانے کی کوشش کرنا۔ موجودہ زمانے میں سوشل ورک بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ یہ سوشل ورک کیا ہے۔ یہ سوشل ورک انسان کو دنیوی تکلیف (worldly suffering) سے بچانے کا نام ہے۔ یہ رحم کے فطری جذبے کو دنیا کی طرف موڑ دینا ہے۔ انسان کے اندر رحم کا شدید جذبہ اِس لیے رکھا گیا ہے تاکہ وہ لوگوں کو آخرت کی تکلیف (other worldly suffering) سے بچانے کی کوشش کرے، لیکن موجودہ زمانے میں رحم کے فطری جذبے کو صرف دنیوی تکلیف (this worldly suffering) کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔ ضرورت مند کی بقدر ضرورت مدد کرنا بھی بلاشبہہ ایک قابلِ اجر کام ہے۔ لیکن مدر ٹریسا کی طرح اس کو اپنا مشن بنانا، ایک بالکل مختلف چیز ہے۔ حاجت مند کی حاجت براری ایک مطلوب کام ہے، لیکن اس کو زندگی کا واحد مشن بنالینا کوئی مطلوب کام نہیں۔ مومن کا اصل مشن دعوہ ورک ہے، نہ کہ سوشل ورک۔

دجال سے زیادہ خطرناک

حضرت ابو ذر غفاری کی ایک روایت کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **غیر الدجال أخوف علی أمتي** (مسند احمد، جلد 5، صفحہ 145) یعنی میں اپنی امت پر دجال سے بھی زیادہ ایک اور چیز سے ڈرتا ہوں۔ پوچھا گیا کہ اے خدا کے رسول، وہ کیا چیز ہے جس سے آپ اپنی امت کے اوپر دجال سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ گمراہ کرنے والے لیڈر (**الأئمة المضلین**)۔

اِس حدیث میں "ائمة" سے مراد بعد کے دور کے مسلم علماء اور مسلم قائدین ہیں۔ اُن کے زیادہ خطرناک ہونے کا سبب یہ ہے کہ ایک اور حدیث کے مطابق، دجال کی پیشانی پر ک ف ر لکھا ہوا ہوگا (صحیح مسلم، کتاب الفتن) یعنی دجال کی گم راہی اتنی زیادہ نمایاں ہوگی کہ سمجھنے والا اس کو آسانی کے ساتھ سمجھ لے۔ لیکن مسلم رہنما اور مسلم قائدین کی غلط رہنمائی کو سمجھنا سخت مشکل کام ہوگا۔ یہ لوگ اسلام اور ملتِ اسلام کے نام سے لکھیں گے اور بولیں گے، وہ بظاہر اپنی بات کے حق میں اسلام کے حوالے دیں گے۔ اِس بنا پر عام لوگ ان کی باتوں کا تجزیہ نہ کر سکیں گے اور ان کو برحق سمجھ کر وہ ان کا ساتھ دینے لگیں گے۔

برائی کی دو قسمیں ہیں — ایک ہے، کھلی برائی (naked evil)، اور دوسری قسم وہ ہے جس کو مبرّر برائی (justified evil) کہا جاسکتا ہے۔ پہلی قسم کی برائی کو آدمی معمولی غور وفکر سے جان لیتا ہے، لیکن دوسری قسم کی برائی کو جاننا ایک مشکل کام ہے۔ دوسری قسم کی برائی کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو بہت زیادہ سنجیدہ ہو، جو اپنے ذہن کے اعتبار سے سخت محتاط ہو، جو کسی چیز کو ماننے سے پہلے اس کا تجزیہ اور تحقیق کرے، جو چیزوں کو غیر متعصّبانہ ذہن سے دیکھتا ہو، جو اپنے جذبات کو الگ کرکے خالص عقلی بنیاد پر باتوں کو سمجھنے کی کوشش کرے، جو کسی خبر کو اُس وقت تک نہ مانے جب تک وہ غیر جانب دارانہ اسکروٹنی (scrutiny) سے درست ثابت نہ ہوجائے۔ اِس لیے دجال کے شر سے بچنا ممکن ہے، لیکن گمراہ قائدین کے شر سے بچنا سخت مشکل کام ہے۔

دوسرے کے لیے دعاء

ایک روایت حدیث کی مختلف کتابوں میں آئی ہے۔ صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں: **دعوۃ المرء المسلم لأخیہ بظھر الغیب مستجابۃ، عند رأسہ ملك موکّل، کلّما دعا لأخیہ بخیر، قال الملك الموکّل بہ آمین ولك بمثل (کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الدعاء للمسلمین بظھر الغیب)** یعنی آدمی جب اپنے بھائی کی غیر موجودگی میں اُس کے لیے دعاء کرتا ہے تو ایسی دعاء قبول ہوتی ہے۔ اس کے پاس ایک فرشتہ موجود رہتا ہے۔ جب بھی وہ اپنے بھائی کے لیے خیر کی دعاء کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ تمھاری دعاء قبول ہو اور اسی کے مثل تمھارے لیے بھی۔

دوسرے کی غیر موجودگی میں اس کی بھلائی کے لیے دعا کرنا، ہمیشہ انسانی خیر خواہی کے جذبے سے ہوتا ہے۔ انسان کے لیے سچی خیر خواہی ایک عظیم عبادت ہے۔

جب بھی کسی آدمی کے اندر دوسرے انسان کے لیے سچی خیر خواہی کا جذبہ ابھرے اور وہ اُس انسان کی غیر موجودگی میں اس کے لیے اللہ سے دعاء کرے، تو وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ ایسی دعا کبھی ضائع نہیں جاتی۔

لیکن کوئی بھی دعاء سنت اللہ کو منسوخ کرنے والی نہیں بن سکتی۔ دعاء کی قبولیت ہمیشہ سنت اللہ کے مطابق ہوتی ہے۔ جہاں تک دعاء کرنے والے کی ذات کا تعلق ہے، اس کو اپنے جذبۂ خیر خواہی کی بنا پر ضرور ثواب ملے گا۔ لیکن جس شخص کے لیے دعاء کی گئی ہے، اُس کے لیے دعاء کی قبولیت اِس پر منحصر ہے کہ وہ شخص واقعۃً خود اپنے اندر اِس کا کتنا زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔

اللہ کی سنت کے مطابق ایسا نہیں ہوسکتا کہ دوسرا شخص خود اپنی ذات میں قبولیت کا استحقاق نہ رکھتا ہو، اِس کے باوجود اس کو دعاء کا فائدہ حاصل ہوجائے۔ کسی کے لیے دعاء کرنا بلاشبہہ ایک عبادت ہے۔ لیکن کسی کے حق میں دعاء کا قبول ہونا خالص ایک خدائی معاملہ ہے۔ یہ صرف اللہ کو معلوم ہے کہ ذاتی استحقاق کے اعتبار سے کون اِس کا اہل ہے اور کون اِس کا اہل نہیں۔

اعزاز یا ڈیوٹی

بائبل میں بتایا گیا ہے کہ یہود کا اصل فریضہ یہ تھا کہ وہ لوگوں کے سامنے اُس سچائی کا اعلان کریں جو اُنھیں ان کے پیغمبروں کے ذریعے دی گئی ہے۔ بائبل (یسعیاہ) میں یہود کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے— خداوند فرماتا ہے، تم میرے گواہ ہو، اور میرے خادم بھی جسے میں نے برگزیدہ کیا:

> "You are my witnesses" says the Lord, "and My servant, whom I have chosen". (Isaiah: 43: 10)

بائبل کی اِس آیت میں ''برگزیدہ گروہ'' (chosen people) کا لفظ یہود کے لیے اعزاز کا ٹائٹل (title of honour) کے طور پر نہیں تھا، بلکہ وہ ٹائٹل آف ڈیوٹی (title of duty) کے طور پر تھا۔ اُن کو اللہ نے اِس لیے چنا تھا کہ وہ لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچائیں اور آخرت میں اس کا انعام پائیں۔ لیکن یہود نے یہ کیا کہ انھوں نے دعوت کی ذمے داری کو چھوڑ دیا اور فخر کے طور پر یہ کہتے رہے کہ ہم خدا کے برگزیدہ گروہ ہیں۔

موجودہ زمانے کے مسلمان اِسی یہودی سنت کا اتباع کررہے ہیں۔ قرآن میں امتِ محمدی کے لیے خیرِ امت (آل عمران: 110) کا لفظ آیا ہے، اور ان کی ذمے داری یہ بتائی گئی ہے کہ وہ ہر زمانے میں قوموں کے سامنے خدا کے دین کی گواہی دیں (البقرۃ: 143)۔ مگر مسلمانوں نے یہ کیا کہ ''خیر امت'' کو انھوں نے اپنے لیے اعزاز کا ٹائٹل سمجھ لیا اور دعوت اور شہادت کی ذمے داری کو یکسر ترک کردیا۔ چناں چہ اب خدا کا دین مسلمانوں کے لیے فخر کا عنوان ہے، نہ کہ ڈیوٹی کا عنوان۔

یہ صورتِ حال بے حد تشویشناک ہے۔ قرآن میں صاف صاف یہ اعلان کیا گیا ہے کہ کسی گروہ کے ساتھ اللہ کا کوئی خصوصی رشتہ نہیں۔ چناں چہ فرمایا کہ: نہ مسلمان کی آرزوؤں پر ہے اور نہ اہلِ کتاب کی آرزوؤں پر۔ جو کوئی بھی برا کرے گا، وہ اس کا بدلہ پائے گا (النساء: 123)۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ کے یہاں عمل کی بنیاد پر فیصلہ ہوگا، نہ کہ خودساختہ خوش خیالیوں کی بنیاد پر۔

جب قیامت قریب آجائے گی

قیامت سے پہلے آخری زمانے میں ایک دور آئے گا جس کو حدیث میں فتنۂ دہیماء کہا گیا ہے۔ فتنۂ دہیماء سے مراد: الفتنة السوداء المظلمة ہے، یعنی مکمل تاریکی کا فتنہ۔ دوسرے لفظوں میں اس کو فکری تاریکی (intellectual darkness) کہا جاسکتا ہے۔ فتنۂ دہیماء سے مراد قیامت سے پہلے کا وہ زمانہ ہے جب کہ اشاعتی ذرائع کی کثرت کے نتیجے میں مختلف قسم سے افکار کا جنگل اتنا زیادہ بڑھ جائے گا کہ لوگ فکری کنفیوژن میں جینے لگیں گے۔

اِس نازک دور میں اللہ کی سنت کے مطابق، کسی بندۂ خدا کے ذریعے کامل سچائی ظاہر ہوگی۔ بہت سے لوگ جو اِس کامل سچائی کو دلائل کی روشنی میں جانچیں گے، وہ نظری طور پر جان لیں گے کہ یہی خدائی سچائی ہے۔ لیکن خدائی سچائی ہمیشہ انسانوں میں سے کسی انسان کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے۔ اس لیے نظری اعتراف کے باوجود اُس میں شبہہ کا ایک عنصر (element of doubt) ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ یہ صورتِ حال اہلِ ایمان کے لیے ایک نازک امتحان کا سبب بن جاتی ہے۔

اِس صورتِ حال میں اہلِ ایمان کے لیے بظاہر دو موقف ہوتے ہیں — ایک، یہ کہ وہ نظری اعتراف کے باوجود عملی طور پر غیر جانب داری (indifference) کا رویہ اختیار کرلیں۔ دوسرا، یہ کہ وہ اجتہاد کریں اور اپنے اجتہاد کے مطابق، جو سچائی ظاہر ہوئی ہے، بھرپور طور پر وہ اس کے ساتھی بن جائیں۔ خالص شرعی اعتبار سے، پہلا موقف اختیار کرنا کسی کے لیے جائز نہیں۔ اِس طرح کی صورتِ حال میں غیر جانب داری کا موقف ایک جرم کی حیثیت رکھتا ہے، یقینی طور پر وہ کوئی جائز موقف نہیں۔

اِس طرح کی صورتِ حال میں درست موقف یہی ہے کہ اہلِ ایمان اجتہاد کرتے ہوئے شبہہ کے پردے کو پھاڑیں اور دوڑ کر سچائی کا ساتھ دیں۔ یہ وہ موقع ہے جب کہ اجتہاد فرض ہوجاتا ہے۔ اگر آدمی کا اجتہاد درست تھا تو حدیث کے مطابق، اُس کو اللہ تعالیٰ کے یہاں دوہرا اجر ملے گا۔ اور اگر بالفرض اُس نے اجتہادی خطا کی ہے، تب بھی اس کے لیے ایک اجر کی بشارت ہے

(صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، باب أجر الحاکم)۔اجتہادی خطا پر بھی اجر کے اعلان کا مطلب یہ ہے کہ اِس طرح کے موقع پر غیر جانب دارانہ رویہ سرے سے جائز ہی نہیں۔ ایسے موقع پر آدمی کو ہر حال میں اجتہادی فیصلہ کرنا ہے،خواہ اس کے لیے اجتہادی خطا کا رِسک (risk) کیوں نہ موجود ہو۔

اِس سلسلے میں ایک متعلق روایت حدیث کی مختلف کتابوں میں آئی ہے۔صحیح البخاری کے الفاظ یہ ہیں:إذا اقترب الزّمان لم تکد رؤیا المؤمن تکذب (کتاب التعبیر، باب القید فی المنام)یعنی جب (قیامت کا) زمانہ قریب آئے تو مومن کا خواب جھوٹا خواب نہیں ہوگا۔

اِس حدیث کی شرح میں ابن حجر العسقلانی نے لکھا ہے کہ: إن المراد بالزمان المذکور زمان المھدیّ (فتح الباری 12/223)یعنی اس روایت میں جس زمانے کا ذکر ہے،اُس سے مراد مہدی کا زمانہ ہے۔ اِسی طرح سنن الترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی میں اِس روایت کے تحت یہ الفاظ درج ہیں: قالوا: یرید بہ زمن خروج المھدیّ (6/56)یعنی علماء نے کہا ہے کہ اِس زمانے سے مراد مہدی کے خروج کا زمانہ ہے۔

اصل یہ ہے کہ مہدی کا زمانہ فتنۂ دہیماء کا زمانہ ہوگا۔اُس زمانے میں افکار کی کثرت کے نتیجے میں حقائق مشتبہ ہو جائیں گے۔تمام لوگ فکری کنفیوژن میں جینے لگیں گے۔ایسی حالت میں مہدی کے ظہور کے باوجود لوگوں کے لیے مہدی پر یقین کرنا مشکل ہو جائے گا۔لوگ دیکھیں گے کہ مہدی جو بات کہہ رہا ہے، وہ پوری طرح مبنی برحق ہے۔لیکن مہدی عام انسان جیسا ایک انسان ہوگا، اِس بنا پر لوگوں کے لیے شبہہ کا ایک عنصر باقی رہے گا۔

اُس وقت اللہ تعالیٰ کی خصوصی تائید رؤیاءِ صادقہ (سچے خواب) کی شکل میں ظاہر ہوگی۔اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق، جن لوگوں کے اندر سچی تلاش کا جذبہ ہوگا، اُن کو مہدی کی نسبت سے تائیدی خواب دکھائے جائیں گے۔ یہ خواب گویا کہ مہدی کے حق میں تائیدِ مزید (additional support) کے ہم معنی ہوں گے۔ایسے خوابوں کو دیکھنے والے اہلِ ایمان یہ یقین کرلیں گے کہ یہی وہ شخص ہے جس کی پیشین گوئی حدیث میں مہدی کے لفظ سے کی گئی ہے،اور پھر وہ دل سے اس کے ساتھی بن جائیں گے۔

خاتمہ کا آغاز

خدا کے تخلیقی نقشہ کے مطابق، انسانی تاریخ کے دو دور ہیں— قیامت سے پہلے کا دور، اور قیامت کے بعد کا دور۔ قرآن اور حدیث میں بتایا گیا ہے کہ قیامت جب قریب آجائے گی تو کچھ کھلی کھلی علامتیں (signs) ظاہر ہوں گی، یہ اِس بات کا اعلان ہوگا کہ انسانی تاریخ کے پہلے دور کا خاتمہ قریب آگیا ہے۔ اِن علامتوں میں سے ایک علامت وہ ہے جس کے لئے قرآن اور حدیث میں دُخان، یعنی دھواں (smoke) کا لفظ آیا ہے، اِس سلسلے میں قرآن کی آیت یہ ہے: **فارتقب یوم تأتی السماء بدخان مبین۔ یغشی الناس، هذا عذاب ألیم** (الدخان: 11-10) یعنی انتظار کرو اس دن کا جب آسمان ایک کھلے ہوئے دھوئیں کے ساتھ ظاہر ہوجائے گا۔ وہ لوگوں کو گھیر لے گا۔ یہ ایک دردناک عذاب ہے:

> Watch out for the Day when the sky brings forth plainly visible clouds of smoke. That will envelop the people. This will be a painful punishment. (44: 10-11)

اپریل 2010 میں یورپ میں جو واقعہ پیش آیا، وہ غالباً اسی پیشین گوئی کے مطابق تھا۔ 14 اپریل 2010 کو یورپ کے ملک آئس لینڈ (Iceland) میں اچانک ایک آتش فشاں پھٹ پڑا۔ یہ آتش فشاں برف کے پہاڑ (glaciers) کے نیچے تھا۔ اس کے نتیجہ میں اتنا زیادہ راکھ نکلی جو تقریباً پورے یورپ کی فضا میں پھیل گئی۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ یورپ کے شہروں میں ہر دن تقریباً 30 ہزار فلائٹس آپریٹ کی جاتی ہیں، مگر اس کے نتیجے میں نصف سے زیادہ جہازوں کی آمد ورفت بند ہوگئی۔ اس قدرتی آفت کے نتیجہ میں ہوائی کمپنیوں کو ہر دن تقریباً دو سو ملین ڈالر کا نقصان ہوا۔ نہ صرف یورپ بلکہ دوسرے ملکوں کی سرگرمیاں ٹھپ ہوگئیں۔ یہ سلسلہ ایک ہفتہ سے زیادہ مدت تک جاری رہا۔ اس قسم کی قدرتی آفت معلوم تاریخ میں پہلی بار ظاہر ہوئی ہے۔

یہ کہنا غالباً صحیح ہوگا کہ آئس لینڈ کا آتش فشانی انفجار وہی دخان تھا جس کی پیشین گوئی قرآن اور

حدیث میں بہت پہلے کی گئی تھی۔ مطالعہ بتاتا ہے کہ غالباً دوسرے نشانات جو حدیث میں بتائے گئے ہیں، وہ ظاہر ہو چکے ہیں۔ دخان کا معاملہ غالباً آخری نشانی سے پہلے کی نشانی (last but one) کا معاملہ ہے اس کے بعد جو نشانی ظاہر ہونے والی ہے، وہ غالباً سورج کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا ہے۔ اس کے بعد غالباً آخری واقعہ ہوگا، یعنی فرشتہ اسرافیل کا صور پھونکنا۔

قرآن کی مذکورہ آیت میں یہ الفاظ آئے ہیں: **هذا عذاب أليم**۔ یہاں عذاب سے مراد غالباً قیامت کا عذاب نہیں ہے، بلکہ اِس سے مراد وہ عذاب ہے جس کے لیے قرآن (**السجدة**: 21) میں دوسری جگہ عذابِ ادنیٰ کا لفظ آیا ہے (**ولنذيقنهم من العذاب الأدنى دون العذاب الأكبر**)۔ قرآن کے مطابق، بڑا عذاب وہ ہے جو قیامت کے وقت صورِ اسرافیل کے بعد آئے گا، لیکن اس سے پہلے چھوٹے چھوٹے علامتی عذاب آئیں گے، تاکہ لوگ متنبہ ہو کر اپنی اصلاح کرلیں۔ گلوبل وارمنگ، پانی کی شدید قلت، زلزلوں کی کثرت اور دخان وغیرہ، اِسی قسم کے چھوٹے عذاب ہیں۔ حالات بتاتے ہیں کہ اب آخری وقت آگیا ہے کہ انسان متنبہ ہو، اِس سے پہلے کہ وہ وقت آجائے جب کہ متنبہ ہونا کسی کے کچھ کام نہ آئے گا۔



اصحابِ رسول

اصحابِ رسول دراصل پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر اہلِ ایمان تھے۔ اصحابِ رسول کو قرآن میں خیرِامت (آلِ عمران: 110) کہا گیا ہے۔ اصحابِ رسول امتیازی اوصاف کے حامل تھے۔ ان کی صفتیں قرآن میں مختلف مقامات پر آئی ہیں۔ اِس سلسلے میں قرآن کی ایک آیت یہاں نقل کی جاتی ہے: **محمد رسول الله، والذين معه أشداء على الكفار رحماء بينهم، تراهم ركّعاً سُجّداً يبتغون فضلاً من الله ورضوانا، سيماهم في وجوههم من اثر السجود، ذلك مثلهم في التوراة۔ ومثلهم في الإنجيل كزرع أخرج شطأه فاٰزره فاستغلظ فاستوىٰ على سوقه، يعجب الزّراع ليغيظ بهم الكفّار، وعد الله الذين اٰمنوا وعملوا الصالحات منهم مغفرة وأجراً عظيماً** (الفتح: 29)

محمد، اللہ کے رسول ہیں۔ جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں، وہ منکروں پر سخت ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔ تم ان کو رکوع میں اور سجدہ میں دیکھو گے۔ وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی کی طلب میں لگے رہتے ہیں۔ ان کی نشانی ان کے چہروں پر ہے، سجدہ کے اثر سے۔ ان کی یہ مثال تورات میں ہے۔ اور انجیل میں ان کی مثال یہ ہے کہ جیسے کھیتی، اُس نے اپنا انکھوا نکالا، پھر اس کو مضبوط کیا، پھر وہ موٹا ہوا اور پھر وہ اپنے تنے پر کھڑا ہو گیا۔ وہ کسانوں کو بھلا لگتا ہے، تاکہ اُن سے منکروں کو جلائے۔ اُن میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیا، اللہ نے اُن کے لیے معافی کا اور بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔

قرآن کی اِس آیت میں اصحابِ رسول کے امتیازی اوصاف کو دو تاریخی پیشین گوئیوں کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک پیشین گوئی وہ جو تورات میں آئی ہے، اور دوسری پیشین گوئی وہ ہے جس کا ذکر انجیل میں موجود ہے۔ تورات میں اصحابِ رسول کا پیشگی ذکر اِن الفاظ میں آیا ہے:

وہ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا:

He came with ten thousands of saints (Deuteronomy 33:2)

بائبل کے اِس حوالے کے مطابق، اصحابِ رسول قدسی کردار (saintly character) کے حامل تھے۔ اصحاب رسول کی یہ قدسی صفات مذکورہ قرآنی آیت کے مطابق، حسب ذیل ہیں:

والذین معه

اِن صفات میں پہلی صفت وہ ہے جس کی طرف "معه" کے لفظ میں اشارہ کیا گیا ہے، یعنی پیغمبر اسلام ﷺ کا ساتھ دینے والے۔ یہ ساتھ انھوں نے کب دیا تھا۔ انھوں نے پیغمبر اسلام کا یہ ساتھ اُس وقت دیا تھا، جب کہ آپ کی ذات کے ساتھ ابھی تاریخی عظمت جمع نہیں ہوئی تھی۔ انھوں نے پیغمبر اسلام کو خالص جوہر (merit) کی بنیاد پر پہچانا، انھوں نے بظاہر ایک معمولی شخصیت کو غیر معمولی شخصیت کے روپ میں دریافت کیا، انھوں نے تاریخی اعتراف (historical recognition) کے درجے تک پہنچنے سے پہلے آپ کی حیثیت کا اعتراف کیا، انھوں نے دورِ عظمت سے پہلے پیغمبر کو اس وقت پہچانا، جب کہ اُس کی ذات ہر قسم کی ظاہری عظمت سے پوری طرح خالی تھی، انھوں نے محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب کو خدا کے نمائندہ کی حیثیت سے دریافت کرکے اُس کے آگے اپنے آپ کو پوری طرح سرینڈر کردیا، اصحاب رسول نے ساعتِ عُسرت (التوبة: 117) میں پیغمبر اسلام کا ساتھ دیا۔ یہ ساتھ دینا اُسی وقت ممکن تھا، جب کہ اصحابِ رسول مذکورہ امتیازی صفت کے حامل ہوں۔

أشداء علی الکفار

اصحابِ رسول کی دوسری صفت کو قرآن میں "أشداء علی الکفار" کے لفظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اہلِ کفر پر شدید ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اہلِ باطل کے مقابلے میں غیر اثر پذیر (unyielding) کردار کے حامل تھے، مروّجہ افکار، ان کو متزلزل نہیں کرسکتے تھے، وقت کی غالب تہذیب اُن کو مرعوب کرنے والی نہ تھی، مفادات کا نظام ان کو اپنی راہ سے ہٹا نہیں سکتا تھا۔ اصحابِ رسول کی دریافتِ حقیقت اتنی زیادہ گہری تھی کہ وہی اُن کی پوری شخصیت کا واحد غالب عنصر بن گئی۔

رحماء بینهم

اصحابِ رسول کی تیسری صفت کو قرآن میں "رحماء بینهم" کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، یعنی

آپس میں ایک دوسرے کے لیے آخری حد تک ہمدرد اور خیر خواہ ہونا۔ اِس صفت کی غیر معمولی اہمیت اُس وقت سمجھ میں آتی ہے جب کہ اِس حقیقت کو سامنے رکھا جائے کہ اصحابِ رسول کے درمیان وہ تمام اختلافات (differences) موجود تھے جو ہر انسانی گروہ کے درمیان فطری طور پر پائے جاتے ہیں۔ اِس کے باوجود وہ بنیانِ مرصوص (الصّف: 4) کی طرح باہم متحد رہے، انھوں نے اِس صلاحیت کا ثبوت دیا کہ وہ اختلاف کے باوجود آپس میں متحد ہو سکتے ہیں، وہ شکایتوں کے باوجود ایک دوسرے کے خیر خواہ بن سکتے ہیں، وہ منفی اسباب کے باوجود اپنے اندر مثبت شخصیت کی تعمیر کر سکتے ہیں۔ اصحابِ رسول کی یہی صفت تھی جس کی بنا پر وہ توحید پر مبنی وہ انقلاب لا سکے جس نے تاریخ کا رخ موڑ دیا۔

تراهم رکعاً سجداً

اصحابِ رسول کی چوتھی صفت کو "تراهم رکعاً سجداً" کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اصحابِ رسول کامل طور پر اللہ کے آگے جھکے ہوئے تھے، ان کے اندر کامل درجے میں خود سپردگی کا مزاج پیدا ہو گیا تھا، اللہ کی کبریائی کی معرفت ان کو اتنے بڑے درجے میں حاصل ہوئی تھی، جب کہ انسان شعوری طور پر اللہ کی قدرتِ کاملہ کا ادراک کر لیتا ہے اور اس کے اندر اپنے عاجزِ مطلق ہونے کا شعور اِس طرح پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی پوری شخصیت کے ساتھ اللہ کے آگے جھک جاتا ہے۔ اس کے دل و دماغ میں اللہ کی بڑائی کے سوا کوئی اور بڑائی باقی نہیں رہتی، اس کا واحد کنسرن (sole concern) اللہ وحدہ لاشریک بن جاتا ہے۔ یہی توحیدِ کامل ہے، اور اصحابِ رسول اِس توحیدِ کامل میں آخری درجے پر پہنچے ہوئے تھے۔

یبتغون فضلاً من اللّٰہ ورضواناً

اصحابِ رسول کی پانچویں صفت وہ ہے جس کو قرآن میں "یبتغون فضلاً من اللّٰہ ورضواناً" کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اصحابِ رسول کی معرفت نے اُن کے اندر اللہ کی ذات پر کامل یقین پیدا کر دیا تھا، وہ اللہ پر کامل اعتماد (confidence) والے بن گئے تھے، وہ یہ سمجھنے لگے تھے کہ دینے والا بھی اللہ ہے اور چھیننے والا بھی اللہ، کامیابی کا سرا بھی اللہ کے

ہاتھ میں ہے اور ناکامی کا سرا بھی اللہ کے ہاتھ میں۔ وہ ہر دوسری چیز سے زیادہ اللہ پر بھروسہ کرنے والے بن گئے تھے، اُن کی امیدیں اور آرزوئیں تمام تر اللہ پر منحصر ہوگئی تھیں۔

سيماهم في وجوههم من أثر السجود

اصحابِ رسول کی چھٹی صفت کو قرآن میں **"سيماهم في وجوههم من أثر السجود"** کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اصحابِ رسول کی دریافتِ حقیقت نے اُن کے اندر آخری حد تک وہ صفات پیدا کردی تھیں جن کو سنجیدگی (sincerity) اور تقویٰ اور تواضع (modesty) کہا جاتا ہے۔ یہی کمالِ انسانیت کی پہچان ہے، یہی وہ صفات ہیں جو کسی انسان (man) کو سپر انسان (super man) بناتی ہیں۔ اِن صفات کی حامل شخصیت کو ربانی شخصیت (divine personality) کہا جاتا ہے۔ اصحابِ رسول بلاشبہہ اِن صفات میں کمال درجے پر تھے۔

اِس کے بعد اصحابِ رسول کی اُس خصوصیت کو بیان کیا گیا ہے جس کا ذکر انجیل میں حضرت مسیح کی زبان سے اِن الفاظ میں آیا ہے: "اُس نے ایک اور تمثیل ان کے سامنے پیش کرکے کہا کہ آسمان کی بادشاہی اُس رائی کے دانے کی مانند ہے جس کو کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے، مگر وہ جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں":

> Another parable He put forth to them, saying: "The kingdom of heaven is like a mustard seed, which a man took and sowed in his field, which indeed is the least of all the seeds, but when it is grown, it is greater than the herbs and becomes a tree, so that the birds of the air come and nest in its branches". (Mathew 13: 31-32)

اصحابِ رسول کی جو صفت تورات میں مختصراً اور قرآن میں تفصیلاً بیان کی گئی ہے، اُس کا تعلق اصحابِ رسول کی انفرادی خصوصیات سے ہے۔ یہ اعلیٰ خصوصیتیں ہر صحابی کے اندر کامل درجے میں پائی جاتی تھیں۔ اِن خصوصیات نے ہر صحابی کو، ایک مستشرق کے الفاظ میں، ہیرو (hero) بنا دیا تھا۔

اصحابِ رسول کی دوسری صفت جو انجیل اور قرآن دونوں میں آئی ہے، وہ تمثیل کی صورت میں اُس اجتماعی انقلاب کو بتاتی ہے جو اصحابِ رسول کے ذریعے برپا ہوا تھا۔ یہ تمثیل ایک درخت کی صورت میں ہے۔ اِس درخت کا بیج پیغمبر اسلام کی پیدائش سے ڈھائی ہزار سال پہلے صحرائے عرب میں لگایا گیا تھا۔ اس کا آغاز حضرت ابراہیم اور حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کی قربانیوں کے ذریعے ہوا تھا۔ یہ پودا نسل درنسل بڑھتا رہا۔

اصحابِ رسول اِسی تاریخی نسل کا اگلا حصہ تھے۔ اصحابِ رسول نے غیر معمولی قربانی کے ذریعے یہ کیا کہ انھوں نے توحید کے نظریے کو فکری انقلاب کے دور تک پہنچا دیا۔ اِس فکری انقلاب کے بعد تاریخ بشری میں ایک نیا پراسس جاری ہوا۔ بعد کی عالمی تبدیلیاں اِسی انقلابی عمل کا نتیجہ تھیں۔ فرانسیسی مؤرخ ہنری پرین (وفات: 1935) نے اِس انقلابی واقعے کا اعتراف اِن الفاظ میں کیا ہے— اسلام نے زمین کے نقشے کو بدل دیا، تاریخ کے روایتی دور کا کامل خاتمہ ہوگیا:

Islam changed the face of the globe, the traditional order of history was overthrown.

یعجب الزرّاع

''**یعجب الزرّاع**'' کے لفظ میں ایک تاریخی پس منظر کی طرف اشارہ ہے۔ رسول اور اصحابِ رسول کے پہلے کی جو دعوتی تاریخ ہے، اُس میں بار بار ایسا ہوا کہ خدا کے داعیوں نے دعوت کا بیج ڈالا، لیکن وہ بڑھ کر ایک شاداب درخت نہ بن سکا۔ یہ واقعہ پہلی بار اصحابِ رسول کے ذریعے پیش آیا۔ دعوت کے عمل میں یہ ارتقا سارے زمین وآسمان کے لیے بے پناہ مسرت کا باعث تھا، جو دعوتِ توحید کو ایک شاداب باغ کی صورت میں دیکھنے کے لیے ہزاروں سال سے اس کا انتظار کررہے تھے۔

لیغیظ بھم الکفار

''**لیغیظ بھم الکفار**'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ اہلِ باطل جو حق کا فروغ دیکھنا نہیں چاہتے تھے، اُن کے لیے حق کے فروغ کا یہ عظیم واقعہ بے پناہ مایوسی کا سبب بن گیا۔ ان کی ہزاروں سال کی خوشیاں خاک میں مل کر رہ گئیں۔ ان کا یہ حوصلہ آخری طور پر ختم ہوگیا کہ وہ حق کو ہمیشہ مغلوب رکھیں گے

اور اس کو کبھی ابھرنے کا موقع نہ دیں گے۔ اِس مایوسی میں دونوں گروہ یکساں طور پر شریک تھے، باطل پرست انسان بھی، اور ابلیس کا دشمنِ حق قافلہ بھی، حق کی یہ کامیابی دونوں ہی کے لیے ان کے منصوبوں کے خاتمہ کے ہم معنی بن گئی۔

ایمان اور عمل صالح

مذکورہ آیت میں آخری بات یہ کہی گئی ہے کہ — اُن میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیا، اللہ نے ان سے معافی کا اور بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔ یہ بشارت براہِ راست طور پر اصحابِ رسول کے لیے ہے اور بالواسطہ طور پر قیامت تک کے اُن تمام لوگوں کے لیے ہے جو اصحابِ رسول کے رول کو دریافت کریں اور بعد کے زمانوں میں اس کا تسلسل جاری رکھیں۔ تسلسل کو جاری رکھنے کا یہ عمل کوئی سادہ عمل نہیں۔ اِس کے لیے ایسے افراد درکار ہیں جن کے اندر تخلیقی فکر ہو اور جن کے اندر مجددانہ صلاحیت ہو۔ بعد کی نسلوں میں جو لوگ ایمان اور عملِ صالح کی اِس اعلیٰ صلاحیت کا ثبوت دیں گے، وہ سب مذکورہ قرآنی بشارت میں شامل ہوتے چلے جائیں گے۔

دو تاریخی گروہ

دعوتِ حق کی تاریخ میں دو گروہ کا خاص رول ہے۔ حدیث میں اِن کو اصحابِ رسول، اور اخوانِ رسول کہا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں، ان کو العصابۃ فرسٹ اور العصابہ سکنڈ کہا جاسکتا ہے۔ العصابہ فرسٹ (اصحابِ رسول) وہ لوگ تھے جن پر وہ لمبی تاریخ منتہی ہوئی تھی جو حضرت ہاجرہ سے شروع ہوئی اور حضرت محمد پر ختم ہوئی۔ العصابہ سکنڈ (اخوان رسول) وہ لوگ ہوں گے جن پر بعد کی وہ تاریخ منتہی ہوئی ہو جو اسلامی انقلاب کے بعد ساتویں صدی عیسوی سے شروع ہوئی اور بیسویں صدی عیسوی میں ختم ہوئی:

> The first al-Isaba was that of Ashab-e-Rasool. They were the culmination of 2500 years of previous history. The second Al-Isaba will be that of Ikhwan-e-Rasool. They will be the culmination of more than 1000 years of later history.

اصل یہ ہے کہ ہر بڑا واقعہ ایک نیا پراسس (process) شروع کرتا ہے۔ یہ پراسس اپنے فطری کورس سے گزرتے ہوئے اپنی انتہا (culmination) تک پہنچتا ہے۔ جو نسلیں اِس پراسس کے تحت بنیں، جو اِس پراسس کا آخری نتیجہ بن کر ظاہر ہوں، وہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں کہا جائے گا کہ ان کے اوپر بعد کی تاریخ منتہی ہوئی ہے۔

اِس معاملے کی ایک سیکولر مثال مغربی قومیں ہیں۔ مغرب میں چودھویں صدی عیسوی میں نشأۃ ثانیہ کے بعد ایک پراسس شروع ہوا جس کی انتہا بیسویں صدی کا آخر تھا۔ اِس قسم کا پراسس تاریخِ دعوت میں دوبارہ جاری ہوا ہے۔ پہلے پراسس کی انتہا، العصابہ فرسٹ ہیں، اور دوسرے پراسس کی انتہا، العصابہ سکنڈ ہوں گے۔ اصحابِ رسول کے بارے میں حضرت عمر فاروق نے کہا تھا: **من سرّہ أن یکون من هذه الأمة، فلیؤدّ شرط الله فیها** ۔یہی معاملہ اخوان رسول کا بھی ہے۔ جو لوگ اس کی شرط پورا کریں گے، وہ اخوانِ رسول کا حصہ قرار پائیں گے۔

وجودِ خدا، وجودِ انسان

بیسویں صدی عیسوی میں انسانی تلاش وجودِ خدا کے موضوع پر مرتکز ہوتی تھی، مگر بیسویں صدی کے خاتمے کے ساتھ ہی اِس دور کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اکیسویں صدی میں انسانی تلاش کا مرکزی نقطہ خود انسان کا وجود ہے۔ اب سارے غور وفکر کا موضوع انسان بن چکا ہے۔ دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے اِس تبدیلی کو جاننا بے حد ضروری ہے۔

وجودِ خدا کی نسبت سے، انسان کا علم کس آخری منزل تک پہنچا ہے، اِس موضوع پر ماہ نامہ الرسالہ میں مختلف مضامین آچکے ہیں۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو ''سائنس سے معرفت تک'' (الرسالہ، اگست 2009)۔ اب یہ موضوع اصولی طور پر ایک طے شدہ موضوع (settled subject) کی حیثیت اختیار کرچکا ہے۔ عملاً اب وہ ماضی کا سبجکٹ ہے، نہ کہ حال کا سبجکٹ۔

اکیسویں صدی کے اہلِ علم اور اہلِ فکر جس سنگین مسئلے سے دوچار ہیں، اس کا تعلق خود انسان کے اپنے وجود سے ہے۔ آج ساری دنیا میں جس موضوع پر سوچا جارہا ہے، وہ یہ ہے کہ — گلوبل وارمنگ کا مقابلہ کس طرح کیا جائے جو زمین پر قائم شدہ لائف سپورٹ کے فطری نظام کو تیزی سے تباہ کررہا ہے۔ مسلّح تحریکوں کے ظاہرہ کا خاتمہ کس طرح کیا جائے جو امنِ عالم کے لیے ایک سنگین چیلنج بنا ہوا ہے، آزادی کے بے قید تصور کو کس طرح قابو میں لایا جائے جس نے دنیا کو عملاً انارکی کا جنگل بنا دیا ہے، اسلحہ کی تجارت پر کس طرح کنٹرول کیا جائے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ساری دنیا میں خطرناک ہتھیار اسی طرح خریدے جاسکتے ہیں جس طرح شاپنگ سنٹر میں عام کنزیومر گڈس (consumer goods)، وغیرہ۔

اِسی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے ادارے نے دو کتابیں خصوصی اہتمام کے ساتھ چھاپی ہیں۔ ایک، قرآن کا انگریزی ترجمہ۔ اور دوسرے، پرافٹ آف پیس (The Prophet of Peace)۔ ضرورت ہے کہ اِن دونوں کتابوں کو عالمی سطح پر زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے۔

پانی کی اہمیت

اسلام کی تعلیمات میں سے ایک تعلیم وہ ہے جس کو واٹر مینج مینٹ کہا جاسکتا ہے، یعنی پانی کو انتہائی کفایت شعاری کے ساتھ استعمال کرنا۔ مدینہ کا واقعہ ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے ایک صحابی سعد کو وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے فرمایا کہ اے سعد، یہ کیسا اسراف ہے۔ انھوں نے کہا کیا وضو کے پانی میں بھی اسراف ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں، اگرچہ تم ایک بہتے ہوئے دریا کے کنارے ہو: **وإن کنت علی نهر جار** (مسند احمد، 4/221)۔ اِس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی کی اہمیت کتنی زیادہ ہے۔ زندگی کا انحصار پانی پر ہے۔ پانی نہیں تو زندگی بھی نہیں۔ عبدالرحیم خان خاناں نے بجا طور پر کہا تھا:

رحمٰن پانی راکھیو، بن پانی سب سُون!

دنیا میں ایک ارب 40 مربع کلومیٹر پانی ہے۔ اس کا 97.5 فی صد حصہ سمندر کا کھاری پانی ہے۔ جس کا استعمال نہ کھیتی کے لیے کیا جاسکتا ہے اور نہ پینے کے لیے۔ سمندر کے پانی کو صاف کرنے کے لیے بہت سے طریقے اپنائے گئے ہیں، مگر وہ کارگر نہ ہوسکے۔ عالمی صحت تنظیم کی رپورٹ کے مطابق، انسان کو پینے کے لیے کم ازکم 3 لیٹر پانی چاہیے۔ دودھ دینے والے مویشیوں کو 50 لیٹر پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ گائے کے ایک لیٹر دودھ کے لیے 8 سو لیٹر پانی صرف ہوتا ہے۔ اِسی طرح ایک کلو چاول پیدا کرنے کے لیے 3 ہزار لیٹر پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ دنیا میں موجود ڈیڑھ فی صد پانی برف کی شکل میں ہے اور ایک فی صد پانی دریا اور تالاب وغیرہ کی شکل میں۔ اِس ایک فی صد پانی کا 60 فی صد حصہ کھیتوں اور کارخانوں میں استعمال ہوتا ہے۔ بقیہ 40 فی صد حصہ پینے کے لیے اور روزمرہ کے استعمال کے لیے صرف ہوتا ہے۔ زمینی پیداوار کا 90 فی صد پانی کاشت کاری میں استعمال ہوجاتا ہے۔ عالمی صحت تنظیم کے ادارے کے مطابق، پانی بہت تیزی سے کم ہوتا جارہا ہے۔ 2025 تک صرف انڈیا میں ایک تہائی لوگ پانی کی قلت کا سامنا کرنے پر مجبور ہوں گے۔ بربادی کی حد تک پانی کے استعمال اور گلوبل وارمنگ کے نتیجے میں زیرزمین پانی کی سطح مسلسل طور پر گرتی جارہی ہے۔ ایسی حالت میں ضروری ہے کہ پانی اور دیگر خدائی عطیات کا استعمال انتہائی احتیاط کے ساتھ کیا جائے۔

دعوہ مشن

ایک صاحب نے مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ آپ کسی برننگ اشو(burning issue) کو لے کر ایک کانفرنس کیجئے اور اُس میں بڑے بڑے لوگوں کو اسٹیج پر بلائیے۔ آپ کی کانفرنس میں لوگ بڑی تعداد میں آئیں گے اور پھر آپ کو موقع ملے گا کہ آپ زیادہ وسیع پیمانے پر اپنا پیغام لوگوں تک پہنچا سکیں۔ آپ کا موجودہ کام فرد پر مبنی کام ہے۔ اِس بنا پر عوام کی بھیڑ آپ کے ساتھ شامل نہیں ہوتی۔

میں نے کہا کہ دعوہ مشن کا نشانہ متلاشی (seeker) انسان ہوتا ہے، نہ کہ بھیڑ یا بڑی بڑی شخصیتیں۔ متلاشی انسان کے لیے سچائی اس کی ضرورت ہوتی ہے، جب کہ بڑی شخصیتوں کے لیے سچائی ان کی ضرورت نہیں ہوتی، اِس لیے یہ لوگ اس کی طرف راغب بھی نہیں ہوتے۔ دعوہ مشن دراصل متلاشی انسان کی تلاش کا دوسرا نام ہے:

Dawah mission is a hunting process to find out the seekers.

قرآن کی سورہ نمبر 80 (عبس) میں اس حقیقت کو ایک مثال کے ذریعے واضح کیا گیا ہے۔ ایک بار پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں مکہ کے کچھ سردار موجود تھے۔ آپ اُن سے گفتگو کر رہے تھے۔ اِس دوران ایک صاحب آ گئے، وہ نابینا تھے۔ ان کا نام عبداللہ بن ام مکتوم تھا۔ رسول اللہ نے ان کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی۔ اِس پر یہ سورہ اتری۔ اِس واقعے کے بعد رسول اللہ کا یہ حال ہوا کہ جب عبداللہ بن ام مکتوم آپ کے پاس آتے تو آپ اُن کے لیے اپنی چادر بچھا دیتے اور فرماتے: **مرحباً بمن عاتبني فيه ربّي** (القرطبی، جلد 19، صفحہ 211) یعنی اُس کے لیے مرحبا، جس کے بارے میں میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا۔

دعوت اپنے عموم کے اعتبار سے ہر انسان کے لیے ہوتی ہے، لیکن دعوت کا خصوصی نشانہ متلاشی افراد ہوتے ہیں۔ یہی وہ افراد ہیں جن کے اندر نفسیاتِ تجسس پائی جاتی ہے اور جن افراد کے اندر نفسیاتِ تجسس ہو، وہی دعوت پر سنجیدگی سے غور کرتے ہیں اور آگے بڑھ کر اس کو قبول کرتے ہیں۔

علمِ توحید

توحید کا عقیدہ اسلام میں اساسی عقیدے کی حیثیت رکھتا ہے۔ توحید کے موضوع پر عربی اور دوسری زبانوں میں بہت زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ آپ اِن کتابوں کو پڑھیں تو اُن میں آپ کو غرض و غایت کے اعتبار سے، اِس طرح کے الفاظ لکھے ہوئے ملیں گے: علمِ توحید سب سے افضل علم ہے۔ معاذ بن جبل کی مشہور روایت میں توحید کے عقیدے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّلیت دی تھی۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ توحید کا علم سب سے افضل علم ہے، وغیرہ۔

علمِ توحید بلاشبہہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن عملی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ اہمیت اس بنا پر نہیں ہے کہ وہ ایک افضل علم ہے۔ علمی اعتبار سے اس کی اہمیت یہ ہے کہ وہ ایک اساسی علم ہے۔ اساسی علم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ توحید ہی وہ بنیاد ہے جس پر بقیہ اسلامی اعمال کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ توحید کی اساس نہیں تو بقیہ اعمال بھی نہیں۔

توحید محض ایک روایتی عقیدے کا نام نہیں۔ توحید دراصل عظیم ترین فکری انقلاب ہے جو عظیم ترین فکری دریافت کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ توحید یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اپنے خالق اور مالک کی حیثیت سے دریافت کرے۔ اللہ جو پوری کائنات کا خالق اور مالک ہے، اس کی دریافت جب کسی انسان کو ہوتی ہے تو اس کے ذہن میں ایک فکری بھونچال پیدا ہوجاتا ہے۔ اس کے اندر معرفت کا سمندر ایک طوفان بن کر داخل ہوجاتا ہے۔ اس کی سوچ اور اس کے جذبات میں ایک کامل نوعیت کی تبدیلی آجاتی ہے۔ اِس کے بعد وہ ایک نیا انسان بن جاتا ہے۔ اِسی نئے انسان کا نام مؤحد انسان ہے۔

اسلامی دعوت کے کام کا آغاز یہ ہے کہ انسان کے اندر عقیدۂ توحید کی بنیاد پر ایک فکری انقلاب برپا کیا جائے۔ اِس فکری انقلاب کے بعد ہی ایک انسان موحد انسان بنتا ہے، اور جب اِس انقلابی فکر کے حامل بہت سے افراد پیدا ہوجائیں تو اُن کے مجموعے سے وہ معاشرہ پیدا ہوتا ہے جس کو اسلامی معاشرہ کہا جاتا ہے۔

مبنی بر نظام یا مبنی بر نفرت

اسلام کے لیے نظام (system) کی اصطلاح ایک نئی اصطلاح ہے۔ یہ اصطلاح بیسویں صدی عیسوی میں کچھ مسلم رہنماؤں نے ایجاد کی۔ شاہ ولی اللہ دہلوی (وفات: 1762) نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں ’’**فکُّ کلِّ نظام**‘‘ کا لفظ استعمال کیا ہے۔لیکن اس جملے میں یقینی طور پر نظام سے مراد اسلامی نظام نہیں ہے۔ اِس میں لفظ ’نظام‘ کو اس کے عمومی معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے۔ اِسی تصور کو اقبال نے اپنے ایک شعر میں اس طرح بیان کیا ہے:

گفتند جہانِ ما، آیا بتو می سازد　　گفتم کہ نمی سازد، گفتند کہ برہم زن

اسلام کی تعبیر نظام سے کرنا کوئی سادہ بات نہیں، یہ دراصل ایک سنگین انحراف کے ہم معنی ہے۔ جب آپ کہتے ہیں کہ اسلام ایک مکمل نظام ہے، تو اِس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسلام کا اتباع جس طرح عقیدہ اور عبادت اور اخلاق کے معاملے میں کرنا ہے، اسی طرح اس کا اتباع قانون اور سیاست کے معاملے میں بھی لازماً کرنا ہے۔ مگر یہ بریکٹ کوئی سادہ بریکٹ نہیں۔ کیوں کہ عقیدہ اور عبادت اور اخلاق کے معاملے میں اسلام کا اتباع ایک شخص صرف اپنے ذاتی فیصلے کے تحت کرسکتا ہے۔ لیکن قانون اور سیاسی اقتدار کے معاملے میں اسلام کا اتباع اول دن ہی سے ٹکراؤ کے ہم معنی بن جاتا ہے۔ کیوں کہ سیاسی اقتدار ہمیشہ کسی کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اور اسلام کو ’’کامل نظام‘‘ کے طور پر نافذ کرنے والوں کے لیے لازم ہوجاتا ہے کہ وہ سیاسی حاکموں کو اقتدار سے بے دخل کریں اور ان کی جگہ مسلم اقتدار کو قائم کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی نظامی تعبیر، اسلام کی متشددانہ تعبیر کا خوب صورت نام ہے۔ اِس تعبیر کے لازمی نتیجے کے طور پر یہ ہوتا ہے کہ مفروضہ باطل پسندوں کے خلاف نفرت کا مزاج بنتا ہے، اُن کے خلاف تشدد کا کلچر وجود میں آتا ہے، دوسروں کے خلاف جارحیت کی فضا قائم ہوتی ہے اور آخر کار یہ معاملہ خودکش بم باری (suicide bombing) تک پہنچ جاتا ہے۔ اسلام کی نظامی تعبیر میں انتہا پسندی، نفرت، ٹکراؤ اور تشدد اِس طرح شامل ہیں کہ دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

داعی کا ذہن

دعوت اپنی حقیقت کے اعتبار سے، انسان کے لیے اپنی خیر خواہی کا اظہار ہے۔ داعی وہی شخص بن سکتا ہے جس کے دل میں انسان کے لیے کامل خیر خواہی پائی جائے۔ یہ خیر خواہی یک طرفہ خیر خواہی ہوتی ہے۔ جو داعی، انسان کے لیے یک طرفہ خیر خواہ نہ ہو، وہ کچھ اور ہوسکتا ہے، مگر وہ داعی نہیں ہوسکتا۔ یہ کوئی سادہ بات نہیں۔

انسان کے حق میں اپنی یک طرفہ خیر خواہی کو برقرار رکھنے کے لیے انسان کو مسلسل جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اس کو یہ کرنا پڑتا ہے کہ وہ پیش آمدہ افکار اور واقعات کی ایسی توجیہہ تلاش کرے جو اُس کو کامل طور پر منفی سوچ سے بچائے اور اس کی مثبت مزاجی (positivity) کو مسلسل طور پر برقرار رکھے۔

مثال کے طور پر موجودہ زمانے میں نوآبادیات (colonialism) کا زمانہ آیا۔ اُس زمانے میں سید جمال الدین افغانی (وفات: 1897) موجود تھے۔ وہ اِس ظاہرے کی مثبت توجیہہ نہ کرسکے۔ چناں چہ وہ اور ان کے جیسے دوسرے مسلم علماء اور رہنما منفی سوچ کا شکار ہو کر رہ گئے۔ اِس طرح وہ داعی کے رول کے لیے نااہل بن گئے۔

یہی معاملہ دوسرے تمام پہلوؤں سے ہوا ہے۔ موجودہ زمانے میں وطن پر مبنی قومیت (land-based nationality) کا نظریہ پیدا ہوا تو ڈاکٹر محمد اقبال (وفات: 1938) اس کی مثبت توجیہہ نہ کرسکے اور منفی ردعمل کے طور پر انھوں نے یہ اعلان کیا کہ:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے　　جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے

اِسی طرح موجودہ زمانے میں جدید جمہوریت (democracy) کا سیاسی نظریہ پیدا ہوا تو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (وفات: 1979) اس کی مثبت توجیہہ نہ کرسکے اور اس کو لادینی جمہوریت قرار دے کر اُس کے مخالف بن گئے۔ اِس طرح اپنی اِس منفی سوچ کی بنا پر وہ جدید جمہوری دور میں داعی کا رول ادا کرنے کے قابل نہ رہے۔

اِسی طرح مصر میں جمال عبد الناصر (وفات: 1970) کی قیادت میں سیکولر بعث پارٹی حکمراں بن گئی۔ سید قطب (وفات: 1966) اِس ظاہرے کی مثبت توجیہہ نہ کرسکے۔ اپنے منفی ذہن کی بنا پر انھوں نے اس کے خلاف لڑائی چھیڑ دی۔ اِس طرح وہ جدید سیکولر دور میں داعی کا رول ادا کرنے کے قابل نہ رہے۔

اِسی طرح دوسری عالمی جنگ کے بعد امریکا سپر پاور بن کر ابھرا۔ اس نے دوسرے ملکوں میں مداخلت کی سیاست شروع کی تو ساری دنیا کے مسلم ذہن اس کے مقابلے میں منفی ردعمل کا شکار ہوگئے، وہ اِس جدید ظاہرے کی مثبت توجیہہ نہ کرسکے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام مسلمانوں نے امریکا کو اسلام کا دشمن نمبر ایک (**عدو الإسلام رقم واحد**) سمجھ لیا۔ اِس طرح وہ جدید دور میں داعی کا رول ادا کرنے کے قابل نہ رہے، وغیرہ۔

داعی کو دوسرے انسانوں کے درمیان دعوت الی اللہ کا کام کرنا پڑتا ہے۔ دعوت الی اللہ کا کام مکمل خیر خواہی کی بنیاد پر انجام پاتا ہے۔ مگر موجودہ دنیا میں ہر فرد اور ہر گروہ کو آزادی حاصل ہے۔ اِس بنا پر لوگوں کی طرف سے بار بار ایسے قول اور فعل کا مظاہرہ ہوتا ہے جو داعی کے اندر منفی ذہن پیدا کردے۔ یہ صورتِ حال ہمیشہ پیش آتی ہے۔ اِس میں کسی دور یا کسی گروہ کا کوئی استثناء نہیں۔

اِس صورتِ حال کا حل صرف ایک ہے، اور وہ یہ کہ داعی کے اندر یہ صلاحیت ہو کہ وہ ہر ناخوش گوار واقعے کی فوری طور پر مثبت توجیہہ تلاش کرلے اور اِس طرح وہ اپنے مثبت ذہن کو مسلسل طور پر باقی رکھے۔ داعی کی شخصیت کامل طور پر ایک مثبت شخصیت ہوتی ہے۔ داعی اِس کا تحمل نہیں کرسکتا کہ اس کی مثبت شخصیت میں ادنیٰ ایروژن (erosion) پیدا ہو۔

حق کی دعوت کسی اعلان (announcement) کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ مدعو کے حق میں خیر خواہی کے اظہار کا نام ہے۔ یہ خیر خواہی کامل اور غیر مشروط درجے میں ہونی چاہیے۔ خیر خواہی میں ادنی کمی بھی داعی کو اِس کے لیے نا اہل بنا دیتی ہے کہ وہ دعوتِ حق کا مطلوب رول ادا کرسکے۔

اتباعِ یہودیت

موجودہ زمانے کے یہودیوں کی سب سے بڑی تحریک وہ ہے جس کو صہیونیت (Zionism) کہا جاتا ہے۔ یہ تحریک 1897 میں شروع ہوئی۔ اس کا مقصد تھا— فلسطین میں دوبارہ یہودی ریاست قائم کرنا:

Zionism: Political and cultural movement seeking to re-establish Jewish national state in Palestine.

دوسرے لفظوں میں یہ کہ صہیونیت، زمین مرکزی سیاست (land-based politics) کا دوسرا نام ہے۔ موجودہ زمانے کے یہودی اپنی تمام طاقت، اپنا تمام سرمایہ، اپنے تمام وسائل اِس سیاست کے لیے استعمال کررہے ہیں۔ اِس مقصد کے حصول کے لیے وہ ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔

موجودہ زمانے کے مسلمان، حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق، اِسی یہودی اُسوہ کا اتباع کررہے ہیں۔ موجودہ زمانے کے مسلمانوں کی سرگرمی براہِ راست طور پر یا بالواسطہ طور پر اِسی مبنی برزمین سیاست (land-based politics) کا نمونہ ہے۔ ہر جگہ کے مسلمانوں نے اِسی قسم کی تحریک چلائی کہ وہ زمین کے ایک خطے پر قبضہ کریں اور وہاں اپنی حکومت قائم کریں۔ پاکستان، فلسطین، کشمیر، بوسنیا، چیچنیا، اراکان، فلپائن، سنکیانگ، وغیرہ۔ ساری دنیا کے مسلمان اِس مبنی برزمین سیاست میں یا تو عملاً شریک ہیں، یا وہ اِس انداز میں سوچتے ہیں، یا اپنی تقریر اور تحریر میں اِسی کا چرچا کرتے ہیں۔

یہ بلاشبہہ یہودی طریقہ کا اتباع ہے۔ اِس قسم کے قومی اور سیاسی جھگڑے، خواہ وہ اسلام کے نام پر کئے جائیں، لیکن وہ اسلام نہیں۔ وہ اسلام کے نام پر غیر اسلامی سیاست ہے۔ وہ دین کے نام پر بے دینی کی سرگرمیاں ہیں۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اِس قسم کی قومی اور سیاسی سرگرمی کو مطلق طور پر ترک کردیں، وہ اپنے ملی عمل کی ازسرِ نو منصوبہ بندی کریں۔ اِس قسم کی قومی سیاست کا کوئی مثبت انجام نہ اب تک برآمد ہوا ہے اور نہ آئندہ برآمد ہونے والا ہے۔

نہ ماننے کا مزاج

جب اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان (آدم) کو پیدا کیا تو اُس وقت دو اور مخلوق، جنات اور فرشتے، موجود تھے۔ اللہ نے دونوں سے کہا کہ تم انسان کے آگے جھک جاؤ۔ فرشتے جھک گئے، لیکن جن کا سردار ابلیس نہیں جھکا۔ یہ ایک مظاہرہ تھا۔ اِس کے ذریعے انسان کو بتایا گیا کہ ماننے کا مزاج ملکوتی مزاج ہے اور نہ ماننے کا مزاج شیطانی مزاج۔ کسی کی بڑائی کا اعتراف کرکے آدمی فرشتوں کی صف میں شامل ہوجاتا ہے۔ اور بڑائی کا اعتراف نہ کرنے سے وہ شیطان کی جماعت کا ممبر بن جاتا ہے۔

آغازِ تخلیق میں ابلیس نے کہا تھا کہ میں تمام انسانوں کو بہکاؤں گا، یہاں تک کہ وہ میرے راستے پر چلنے لگیں گے۔ ابلیس کا یہ اعلان بہت زیادہ سنگین ہے۔ وہ اِس دنیا میں کسی انسان کے لیے صحیح اور غلط کا معیار بتا رہا ہے۔ ہر آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو جانچے اور دیکھے کہ وہ اپنی زندگی میں فرشتوں کے راستے پر چل رہا ہے، یا ابلیس کے راستے پر۔

خالق نے اِس دنیا کا نظام اِس طرح بنایا ہے کہ لوگوں کے درمیان برابری نہیں ہے۔ مختلف پہلوؤں سے لوگوں کے درمیان فرق پایا جاتا ہے، کوئی کم ہے اور کوئی زیادہ۔ یہ صورتِ حال ہر عورت اور مرد کے لیے آزمائش ہے۔ اِس دنیا میں ہر ایک کا سابقہ کہیں نہ کہیں کسی ایسے انسان سے پیش آتا ہے جو کسی پہلو سے اس کے مقابلے میں بڑائی رکھتا ہو۔ یہ بڑائی خدا کی دی ہوئی ہوتی ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ ایسے ہر موقع پر وہ کھلے طور پر دوسرے انسان کا اعتراف کرے۔ یہ اعتراف اُس کے لیے سب سے بڑی نیکی کے ہم معنیٰ ہے۔

بڑائی کے انکار کی دو صورتیں ہیں— ایک یہ کہ براہِ راست طور پر اس کا انکار کیا جائے۔ دوسرا طریقہ بالواسطہ انکار کا طریقہ ہے، یعنی ایک ایسی بات کہنا جس سے بالواسطہ طور پر دوسرے انسان کی بڑائی کی نفی ہوتی ہو۔ یہ دونوں طریقے یکساں طور پر برے طریقے ہیں، حقیقت کے اعتبار سے دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

رکاوٹ ایک نعمت

اردو زبان کے مشہور شاعر مرزا اسد اللہ خاں غالب (وفات: 1869) نے کہا تھا:

رکتی ہے میری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

غالب نے اِس کو شاعرانہ انداز میں کہا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک فطری قانون ہے۔ زندگی میں جب کوئی رکاوٹ پیش آتی ہے تو وہ مزید حرکت کا سبب بن جاتی ہے۔

مثال کے طور پر سواریوں کے سفر کے لیے جو سڑک بنائی جاتی ہے، وہ شیشہ کی طرح بالکل ہموار نہیں ہوتی، بلکہ اس کی سطح پر ناہمواریاں ہوتی ہیں۔

اگر یہ ناہمواریاں نہ ہوں تو سڑک پر سواریاں نہ دوڑ سکیں۔ اِسی لیے سڑک اِس طرح بنائی جاتی ہے کہ اس کی سطح پر مسلسل مزاحمت یا فرکشن موجود ہو:

Road suface is made uneven to create friction.

کامیابی کا یہ اصول جس طرح مادی سفر کے لیے ہے، اِسی طرح وہ ذہنی سفر کے لیے بھی ہے۔ سڑک کے سفر کے لیے اس کو فرکشن (friction) کہا جاتا ہے، اور ذہنی سفر کے معاملے میں اِسی کا نام فکری چیلنج (intellectual challenge) ہے۔

مزاحمت کے بغیر سڑک کی سطح پر سواریاں دوڑ نہیں سکتیں۔ اِسی طرح فکری چیلنج کے بغیر ذہنی ارتقا کا سفر بھی کامیابی کے ساتھ جاری نہیں ہوسکتا۔

فکری چیلنج انسان کے ذہن کو متحرک کرتا ہے، وہ سوئی ہوئی صلاحیتوں کو بیدار کردیتا ہے۔ فکری چیلنج آدمی کے اندر تخلیقیت (creativity) پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔

فکری چیلنج ہی کا نتیجہ ہے کہ آدمی نئی باتوں کو دریافت کرتا ہے۔ فکری چیلنج اِس بات کا ضامن ہے کہ آدمی کا ذہنی سفر ہمیشہ جاری ہے، وہ کبھی جمود کا شکار نہ ہو۔ اِس فکری چیلنج کا تعلق خالص ذہنی ترقیوں سے بھی ہوتا ہے اور اُن ترقیوں سے بھی جن کو مادی ترقی کہا جاتا ہے۔

مسرت کی تلاش

1947 سے پہلے ہندستان میں برٹش راج تھا۔ وہ دوسو سال تک قائم رہا۔ اُس زمانے میں ایک تعلیم یافتہ مسلمان تھے۔ وہ اُس وقت ایک بڑے سرکاری عہدے پر فائز تھے۔ بظاہر اُن کو تمام دُنیوی چیزیں ملی ہوئی تھیں۔

اُن کے یہاں تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ اُن کا نام انھوں نے فرحت اور راحت اورعشرت رکھا۔ اِس واقعے کو لے کر ایک شاعر نے اُن کے بارے میں یہ شعر کہا تھا:

فرحت وراحت وعشرت ہمہ فرماں بردار

مگر یہ صورت حال دیر تک قائم نہیں رہی۔ اگست 1947 میں ملک کی تقسیم ہوئی۔ اِس کے بعد ان کا خاندان بکھر گیا۔ وہ لوگ مختلف قسم کی پریشانیوں میں مبتلا ہوگئے۔ یہ پریشانی پھر کبھی ختم نہ ہوسکی۔ خاندان کا ہر فرد مایوسی کا شکار ہو کر مر گیا۔

یہی اِس دنیا میں کم وبیش ہر عورت اور ہر مرد کا حال ہے۔ انسان ہر قسم کی خواہشوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ اپنی خواہشوں کی تکمیل کرکے کامل مسرت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ انسان اپنے آپ میں مجسم مسرت (pleasure incarnate) ہے۔

لیکن اِسی کے ساتھ دوسری سنگین حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی انسان اِس دنیا میں اپنی مسرتوں کی تکمیل نہیں کرپاتا۔ ہر شخص مسرت کی تلاش میں سرگرم رہتا ہے، لیکن ہر شخص مسرت کو حاصل کیے بغیر مرجاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خالق نے انسان کو مسرت کا متلاشی بنایا، لیکن خالق نے موجودہ دنیا میں مسرت کے حصول کا موقع اُس کے لیے نہیں رکھا۔

انسان کے لیے یہ مقدر ہے کہ وہ موجودہ دنیا میں خواہش (desire) کا تجربہ کرے، اور خواہشوں پر کنٹرول کرکے اس کی تکمیل (fulfillment) کے لیے وہ موت کے بعد آنے والی اگلی دنیا کا انتظار کرے — اِسی دریافت کا نام کامیابی ہے، اور اِسی دریافت سے محرومی کا نام ناکامی۔

ایڈجسٹمنٹ کا فارمولا

مرد کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ ایگوئسٹ (egoist) ہوتا ہے۔ عورت کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اموشنل (emotional) ہوتی ہے۔ یہ دونوں صفتیں پیدائشی صفتیں ہیں۔ اِن کو بدلنا کسی بھی حال میں ممکن نہیں۔ اگر آپ اِس حقیقت کو جان لیں تو آپ کے لیے عورت اور مرد دونوں کے ساتھ معاملہ (deal) کرنا آسان ہوجائے گا۔ اس کا مختصر فارمولا یہ ہے کہ مرد کے ایگو کو ٹچ (touch) نہ کیجئے، اور عورت کے اموشن (emotion) سے نہ ٹکرائیے۔ یہی فارمولا خاندانی زندگی میں بھی کارآمد ہے اور سماجی زندگی میں بھی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں معاملات ہمیشہ ٹکراؤ کی بنا پر بگڑتے ہیں۔ ٹکراؤ سے اعراض کرنا ہی پُر عافیت زندگی کا واحد کامیاب فارمولا ہے۔ اِس کے سوا کوئی اور فارمولا عملی طور پر اِس دنیا میں ممکن نہیں۔ اِس فارمولے کو ایک لفظ میں ٹکراؤ مینج مینٹ (conflict management) کہا جاسکتا ہے۔

ٹکراؤ سے اعراض کرنا، صرف ایک اخلاقی معاملہ نہیں، یہ خود اپنی تعمیر (self development) کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ جب آپ ٹکراؤ سے بچتے ہیں تو نتیجے کے اعتبار سے اِس کا دوسرا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ نے اپنا وقت بچایا، آپ نے اپنی توانائی بچائی، آپ نے اپنا مال بچایا، آپ نے اپنے آپ کو اِس قابل بنایا کہ کسی وقفے کے بغیر اپنی زندگی کا سفر جاری رکھیں۔ آپ غیر ضروری طور پر ذہنی تناؤ (tension) کا شکار نہیں ہوئے، آپ نے اپنے ذہن کو کامل طور پر مثبت سوچ کے لیے فارغ رکھا، وغیرہ۔

کامیاب زندگی پچاس فی صد خود اپنے استعمال کا نام ہے، اور پچاس فی صد دوسروں سے موافقت (adjustment) کرنے کا نام ہے۔ یہ ایک اٹل فطری قانون ہے، اِس میں کسی کا کوئی استثناء نہیں۔ کامیابی کے لیے دونوں ہی چیزیں یکساں طور پر ضروری ہیں۔

جو انسان اِس تقسیم پر راضی نہ ہو، اس کو اپنے لیے ایک اور دنیا کی تخلیق کرنا چاہئے، کیوں کہ موجودہ دنیا میں اِس کے سوا زندگی کی کوئی اور صورت ممکن نہیں۔

صبر کا کرشمہ

گل برگا (کرناٹک) کے ایک صاحب نے اپنے ایک خط (10 فروری 2010) میں اپنا ایک واقعہ لکھا ہے۔ یہ واقعہ انھیں کے الفاظ میں یہاں نقل کیا جاتا ہے:

’’ایک غلط پروپیگنڈے کی بنا پر مجھ کو تین ماہ سروس سے معطل ہونا پڑا۔ لیکن اِس دوران نہایت صبر واستقلال کے ساتھ غیر ضروری باتوں سے اعراض کرتے ہوئے بلا طلبِ حجت یک طرفہ طور پر ’’میں غلطی پر تھا‘‘ کے مشورے پر رجوع بکار رہوا۔ اِس کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ مجھ کو سروس سے برخاست کرنے کے لیے جو طریقے اپنائے گئے تھے، وہ بالکل ناکام ثابت ہوئے، اور میں پہلے سے زیادہ مضبوط طور پر اپنی جگہ واپس آ گیا۔ یہ بلاشبہہ الرسالہ کی فکری پالیسی کا نتیجہ تھا‘‘۔

یہ ایک مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نزاعی مسائل کا حل کیا ہے۔ اس کا بہترین حل یہ ہے کہ آپ صبر کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے خاموش ہوجائیں اور صرف دعاء کریں۔ اگر آپ ایسا کریں تو آپ دیکھیں گے کہ بہت جلد آپ کا مسئلہ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ حل ہوگیا ہے۔

نزاع کے موقع پر جب ردِ عمل کا طریقہ اختیار کیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فریقِ ثانی کے اندر ضد اور انانیت جاگ پڑتی ہے۔ اِس طرح مسئلہ اور زیادہ پیچیدہ ہوجاتا ہے۔

اِس کے برعکس، اگر آپ خاموشی اختیار کرلیں اور دعاء کریں تو اس کے بعد یہ ہوگا کہ فریقِ ثانی کا ضمیر جاگ اٹھے گا۔ اِس کے بعد وہ معاملے پر ٹھنڈے دماغ کے ساتھ سوچنے لگے گا، یہاں تک کہ عین ممکن ہے کہ اس کو خود اپنی غلطی کا احساس ہوجائے اور وہ اعلان کے ساتھ یا بلا اعلان خود ہی معاملے کو ختم کردے۔

صبر کا طریقہ فرشتے کو آپ کا مددگار بنا دیتا ہے۔ اِس کے برعکس، جب آپ بے صبری کا طریقہ اختیار کریں تو شیطان کو موقع مل جاتا ہے کہ وہ معاملے کو زیادہ سے زیادہ بگاڑے، یہاں تک کہ آپ کو تباہی کے کنارے پہنچا دے۔ جو آدمی اِس راز کو سمجھ لے، وہ کبھی ناکامی سے دوچار نہیں ہوسکتا۔

ڈسپلن کی اہمیت

ڈسپلن (discipline) کا مطلب انضباط ہے۔ ڈسپلن کو ایک لفظ میں انضباطی کردار (controlled behaviour) کہہ سکتے ہیں۔ ڈسپلن کا تعلق دراصل اجتماعی زندگی سے ہے۔ سادہ طور پر کہہ سکتے ہیں کہ ڈسپلن کا مطلب ہے— عملی زندگی میں دوسروں کی رعایت کرنا۔

زندگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی صرف اپنے آپ کو جانے۔ وہ اپنی خواہش کے مطابق، زندگی گزارے۔ اُس کے اندر دوسروں کی پروا کرنے کا مزاج نہ ہو۔ ایسی زندگی ڈسپلن کے خلاف زندگی ہے۔ اِس کے برعکس، دوسرا انسان وہ ہے جو دوسروں کی رعایت کرنا جانتا ہو، جو اپنی گفتگو اور اپنے سلوک میں ہمیشہ یہ دھیان رکھے کہ دوسروں کے اوپر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ اس کی کسی بات پر دوسرا شخص ناگواری کا اظہار کرے تو وہ فوراً اپنی غلطی کو مانتے ہوئے اپنی اصلاح کرے— یہ ڈسپلن کے ساتھ زندگی گزارنا ہے۔

ڈسپلن کوئی سادہ چیز نہیں۔ ڈسپلن دراصل کائناتی اخلاق کا دوسرا نام ہے۔ وسیع خلا میں سیارے اور ستارے مسلسل طور پر حرکت کرتے ہیں، لیکن اُن میں کبھی ٹکراؤ نہیں ہوتا، جنگل میں مختلف قسم کے جانور رہتے ہیں، لیکن ہر ایک اپنی جبلّت (instinct) کی کامل طور پر پابندی کرتا ہے۔ یہی وہ پابند کردار ہے جس کو انسانی زندگی کے اعتبار سے ڈسپلن کہا جاتا ہے۔

یہ ڈسپلن بے حد ضروری ہے۔ یہ آدمی کی شرافت کی پہچان ہے۔ یہ کسی آدمی کی بلند اخلاقی کو بتاتا ہے۔ ڈسپلن کے ساتھ جینے والا انسان ہی دراصل کامل معنوں میں انسان ہے۔ جو شخص ڈسپلن سے خالی ہو، وہ گویا کہ اعلیٰ انسانی اخلاق سے خالی ہے۔ یہ ڈسپلن کسی کے اندر خارجی ضوابط سے نہیں پیدا ہوتا، وہ آدمی کے داخلی احساس سے پیدا ہوتا ہے۔ ڈسپلن کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی دوسروں کے لیے معاون بنے، اور ڈسپلن کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ آدمی دوسرے کے لیے زحمت (nuisance) پیدا کرنے کا باعث نہ بنے۔

سوال و جواب

سوال

میں آپ کے قول وفکر سے بہت متاثر رہا ہوں۔ یہ اِس بنا پر کہ میں نے آپ کی تحریر کی ہوئی باتیں آپ کے ماہنامہ الرسالہ میں پڑھی ہیں۔ میں نے آپ کی بتائی ہوئی اچھی باتیں دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔لیکن میں نے پایا ہے کہ میرے اطراف کے لوگوں میں کچھ لوگ آپ کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے۔ جب میں نے ان سے وجہ دریافت کی تو وہ مجھے کوئی قابلِ قبول وجہ نہیں بتا سکے۔صرف سنی سنائی باتوں کا ایسے لوگ ذکر کرتے ہیں۔ میں ان سے کہتا رہا ہوں کہ وہ خود اپنا کوئی ذاتی تجربہ یا مشاہدہ بتائیں تو وہ بتانے سے قاصر رہے ہیں۔اس طرح میں ان کو نظر انداز کرکے خاموشی سے تعمیری سوچ اور کام میں لگا رہا ہوں۔

میرا ایک مشاہدہ آپ کے بارے میں ایسا ہوا ہے جو میری سمجھ سے غیر مناسب ہے اور آپ جیسی شخصیت سے بالکل مطابقت نہیں رکھتا۔کل کے اخبار (The Hindu, Aug. 7, 2009) میں آپ آڈوانی صاحب کی لکھی ہوئی کتاب ''میرا وطن میری زندگی'' کے Release Function میں شامل ہیں۔ایک طرح سے یہ اُس شخصیت کا endorsement ہے جس کی لکھی ہوئی یہ کتاب ہے۔اس مصنف کی جو قدریں (values) ہیں، وہ اس کے قول اور اُس سے زیادہ اس کے عمل اور کردار سے ظاہر ہوتی ہیں۔اس کے بارے میں زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

میرا تجربہ ہے اور دانش مندوں کی کہاوت ہے کہ خود غرض اور ظالم کی دوستی فائدہ مند نہیں ہوتی، خواہ وہ ظالم آپ پر مہربان ہو۔ ایسے لوگوں کے دعوت نامہ کو قبول کرنے سے پہلے اچھی طرح غور کرنا چاہئے۔ اگر کسی وجہ سے ایسی دعوت قبول کرنا بھی پڑے تو ایسے موقع پر اپنی بات پوری وضاحت اور مضبوطی سے کہنا چاہیے۔تا کہ negative values کا endorsement نہ ہونے پائے۔آپ سے درخواست ہے کہ اِس معاملہ میں آپ وضاحت کریں اور میری غلط فہمی دور کریں۔(ایم اے صدیقی، کان پور)

جواب

اصل یہ ہے کہ کسی واقعہ کو دیکھنے کے دو زاویے (angles) ہوتے ہیں۔ ایک، مثبت زاویہ اور دوسرا منفی زاویہ۔ ایک واقعہ مثبت زاویہ سے دیکھنے میں صحیح واقعہ نظر آئے گا۔ اسی واقعہ کو دوسرے زاویے سے دیکھا جائے تو وہ منفی واقعہ بن جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صلح حدیبیہ پیش آیا۔ اس وقت ایک صحابی حضرت عمر فاروق نے منفی زاویہ سے دیکھا تو ان کو وہ پسپائی کا ایک واقعہ نظر آیا۔ انھوں نے کہا کہ: **لم نعطی الدنیة فی دیننا** (**الأوسط فی السنن، رقم الحدیث**: 244)۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے اس کو مثبت زاویہ سے دیکھا اور قرآن میں اعلان کیا گیا کہ یہ فتح مبین ہے (**الفتح**: 1)

آپ کی غلط فہمی یہ ہے کہ آپ نے مذکورہ اجتماع میں میری شرکت کو دوستی کے زاویہ سے دیکھا اور اس کو صاحبِ کتاب کا endorsement سمجھ لیا۔ آپ کے لیے صحیح یہ تھا کہ آپ اس کو دعوت کے زاویہ سے دیکھتے تو آپ کو معلوم ہوتا کہ مذکورہ اجتماع میں میری شرکت ایک صحیح اور باعثِ ثواب معاملہ تھا۔ جو شخص بھی، ماہ نامہ الرسالہ اور اس کا خبر نامہ باقاعدگی کے ساتھ پڑھے تو اس کو معلوم ہوگا کہ مذکورہ واقعہ کوئی استثنائی واقعہ نہ تھا، بلکہ وہ بہت سے واقعات میں سے صرف ایک واقعہ تھا۔

میں اور میرے ساتھی دعوت الی اللہ کا مشن چلا رہے ہیں۔ یہ مشن ایک مبنی بر لٹریچر مشن ہے۔ ہم مسلسل یہ کر رہے ہیں کہ انڈیا کے اندر اور انڈیا کے باہر ہونے والے اجتماعات میں شرکت کرتے ہیں۔ وہاں ہم لوگوں کے درمیان اسلامی لٹریچر تقسیم کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے ہم ہر مذہب اور ہر گروہ اور ہر پارٹی کے اجتماعات میں جاتے ہیں۔ اگر ہم آپ کے بیان کردہ زاویے سے چیزوں کو دیکھیں تو ہم دعوت کے مواقع (opportunities) کو استعمال نہ کر سکیں گے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں گناہ گار ثابت ہوں گے۔

ہمارا یہ طریقہ پیغمبر کی سنت کے عین مطابق ہے۔ حضرت یوسف نے قدیم مصر میں وہاں کے بادشاہ کے ایڈمنسٹریشن میں ایک ذمّہ دارانہ عہدہ قبول کیا، حالاں کہ یہ بادشاہ ایک مشرک بادشاہ تھا۔

حضرت یوسف اگراس معاملہ کو (شرک) کے زاویے سے دیکھتے تو وہ بادشاہ کے ایڈمنسٹریشن میں شرکت نہ کرتے۔ مگر آپ نے اس کو اپنے دعوتی مشن کی حیثیت سے دیکھا اور قبول کرلیا۔

اسی طرح پیغمبر اسلام ﷺ اپنی نبوت کے ابتدائی زمانہ میں 13 سال تک مکہ میں تھے۔ وہاں آپ کعبہ میں جاتے اور نماز ادا فرماتے اور لوگوں کو دعوت پہنچاتے، حالاں کہ اس زمانے میں کعبہ کی عمارت میں کھلے طور پر 360 بت رکھے ہوئے تھے۔ اگر اس واقعہ کو منفی زاویے سے دیکھا جائے تو وہ شرک کا انڈورسمینٹ (endorsement) نظر آئے گا۔ لیکن رسول اللہ نے اس کو دعوت کے زاویے سے دیکھا۔ آپ نے یہ فارمولا اختیار کیا کہ — بتوں کی موجودگی کو نظر انداز کرو اور وہاں موجود لوگوں میں اپنا پیغام پہنچاؤ۔

ہم نے اپنے دعوتی مشن میں اسی پیغمبرانہ طریقہ کو اختیار کیا ہے۔ ہم لوگوں کو دشمن اور دوست کے اعتبار سے نہیں دیکھتے۔ ہم ہر انسان کو صرف انسان کے روپ میں دیکھتے ہیں۔ ہر عورت اور ہر مرد کو ہم حق کا پیغام پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے ہم ہر اجتماعی موقع پر جاتے ہیں۔ ہمارے پاس قرآن کا ترجمہ اور دوسری اسلامی کتابیں ہوتی ہیں ان کو ہم ایک ایک شخص تک پہنچاتے ہیں۔ مذکورہ اجتماع میں پورے انڈیا کے تقریباً تمام ٹاپ کے کٹر ہندو لیڈر موجود تھے۔ ہمارے ساتھیوں نے بڑے پیمانے پر قرآن کا انگریزی ترجمہ اور دعوتی لٹریچر اُن لوگوں کو مطالعے کے لیے دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ معاملہ **الناس أعداء ما جهلو** کی مثال ہے۔ جو لوگ دعوت کے فرض سے غافل ہیں، جو یہ نہیں سمجھتے کہ مسلمان کا دوسرے انسانوں سے تعلق داعی اور مدعو کا تعلق ہے، وہ اس معاملے میں غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں۔ وہ انسانوں کو دوست اور دشمن کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ وہ کسی کو اپنا اور کسی کو غیر سمجھتے ہیں۔ وہ کسی سے محبت کرتے ہیں اور کسی سے نفرت۔ ایسے لوگ ایک داعی کی پوزیشن کو سمجھ نہیں پاتے۔ آپ کو چاہیے کہ آپ ہمارے بارے میں کسی انگریزی یا ہندی اخبار میں ایک خبر پڑھ کر رائے نہ بنائیں بلکہ خود ہماری تحریروں کو پڑھ کر ہمارے بارے میں رائے بنائیں۔ اگر آپ ایسا کریں تو آپ کو کبھی مذکورہ قسم کی غلط فہمی نہیں ہوگی۔

سوال

قرآن کی تین آیتوں کے بارے میں استفسار مطلوب ہے۔ براہِ کرم، جواب دے کر ممنون فرمائیں:

1- ''اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو زمین میں اقتدار دے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو اقتدار دیا تھا۔ اور ان کے لیے ان کے دین کو جما دے گا، جس کو ان کے لیے پسند کیا ہے۔ اور ان کی خوف کی حالت کے بعد اس کو امن سے بدل دے گا۔ وہ صرف میری عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد انکار کرے تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں'' (النور: 55)۔

اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت فی الارض کا وعدہ ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی انعام ہے جو ایمان اور عمل صالح کے حقیقی تقاضوں کو پورا کریں۔ لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے نہ صرف بڑے حصے پر بلکہ ان ممالک میں بھی جہاں مسلمان آباد ہیں اور ان کی حکمرانی بھی ہے، اُس پر ان عالمی طاقتوں کا قبضہ اور غلبہ ہے جو حقیقۃً ایمان اور عمل صالح سے محروم ہیں، بلکہ بعض ممالک ایسے بھی ہے جیسے روس، چین، جاپان، وغیرہ نہ صرف ایمان اور عمل صالح سے تہی دامن ہیں، بلکہ وہ خدا کے وجود کے بھی قائل نہیں ہیں۔ لیکن اس کے برعکس خود کو صاحب ایمان بتانے والے لوگ موجودہ دور میں ان عالمی طاقتوں کے مقابلے میں انتہائی کمزور ہیں اور وہ زندگی کے ہر شعبہ میں ان کے محتاج اور دست نگر ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر خلافت فی الارض محض خدائی انعام ہے اور یہ انھیں لوگوں کو ملنے والا ہے جو ایمان اور عمل صالح کی روش کو اختیار کریں تو پھر جو قومیں سرے سے ایمان اور عمل صالح کے تصور سے عاری ہیں، ان کو استحکام کس بنیاد پر ملا ہوا ہے۔

2- قرآن میں ایک آیت آئی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: ''اللہ ہی وفات دیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی ان کو سونے کے وقت، پھر وہ ان کو روک لیتا ہے جن کی موت کا فیصلہ کر چکا ہے اور دوسروں کو ایک وقت مقرر تک کے لئے رہا کر دیتا ہے، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور کرتے ہیں'' (الزمر: 42)۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کی موت اس کی نیند کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کے لئے موت کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ رات کو جب سوئے گا تو اگلے دن وہ نہیں اٹھے گا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ نیند کی حالت میں کسی کی موت کا واقعہ ہونا بہت ہی شاذ و نادر ہے۔ عام طور پر لوگوں کی موت جاگتے ہوئے آتی ہے۔ اس کے علاوہ حادثات وغیرہ بھی زیادہ تر دن میں ہی ہوتے ہیں۔ آیت کا صحیح مفہوم جاننے کے لئے میں آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

3- قرآن میں ایک جگہ ارشاد ہوا ہے: **ألم تروا كيف خلق الله سبع سموات طباقا** (نوح: 15) یعنی کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان تہ بہ تہ بنائے۔

سوال یہ ہے کہ جب سات آسمان تہ بہ تہ نظر نہیں آتے تو پھر اس کو مخاطب کس طرح تسلیم کرے گا۔ کیوں کہ سات آسمانوں کو تہ بہ تہ دیکھنا نہ صاحب ایمان کے لیے ممکن ہے اور نہ منکرین حق کے لیے۔ تاہم اگر اس رویت سے رویتِ عینی مراد لی جائے تو پھر اس کو عمومی طور پر سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن اگر اس سے رویت قلبی مراد لی جائے اور اسلوب بیان کو محاورات عرب پر محمول کیا جائے تو اس آیت کو دلیل بنا کر پیش کرنے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ تقریباً دوسو سال سے فلکیات سے متعلق ہونے والی تحقیقات کے باوجود ابھی ہم اس بارے میں سائنسی بنیادوں پر حتمی معلومات حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ تاہم اگر چہ پچھلی چند دہائیوں میں فلکی طبیعات کے سلسلے میں چند انتہائی دلچسپ دریافتیں ضرور ہوئی ہیں اور ان سے معجزۂ قرآن کی حقانیت ثابت ہوئی ہے۔ مگر جس زمانے میں یہ آیت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی، اس زمانے میں سائنسی تحقیقات کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ اس صورت حال میں قرآن کے اولین مخاطب کے لیے سات آسمانوں کا تہ بتہ ہونا کیسے سمجھ میں آسکتا تھا اور وہ ان کو دلیل کے طور پر کیسے دیکھ یا جان سکتے تھے۔ جب کہ موجودہ دور میں بھی کسی آدمی کے لئے راست انداز میں سات آسمانوں کا مشاہدہ اور نظارہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ میں قرآن کی اِس آیت کا مفہوم آپ سے جاننا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اپنے جواب سے ضرور نوازیں گے (غلام نبی کشافی، سری نگر، کشمیر)

جواب

1- خلافتِ ارضی کسی گروہ کا حق (right) نہیں ہے، نہ مسلم گروہ کا اور نہ غیر مسلم گروہ کا۔ خلافتِ ارضی کا فیصلہ اللہ کی ایک سنت کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ سنت اصلاً تعمیرِ دنیا کے اصول پر قائم ہے۔ جس گروہ کے اندر مقابلۃً تعمیر دنیا کی زیادہ صلاحیت ہو، اس کو زمین کی خلافت عطا کی جاتی ہے۔ کسی مفسد گروہ کے لیے کبھی خلافتِ ارضی کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

اگر دنیا میں دو گروہ ہوں اور دونوں تعمیرِ دنیا کی تقریباً یکساں صلاحیت رکھتے ہوں، تو اُس گروہ کو ترجیح دی جائے گی جو تعمیر دنیا کے ساتھ ایمان کی صفت اپنے اندر رکھتا ہو، بصورتِ دیگر خلافتِ ارضی کا فیصلہ غیر مومنین کے لیے کر دیا جائے گا۔ موجودہ زمانے میں جن گروہوں کو خلافتِ ارضی حاصل ہے، ان کے بارے میں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وہ مقابلۃً تعمیر دنیا کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں۔

جہاں تک موجودہ زمانے کے مسلمانوں کا معاملہ ہے، وہ نہ صرف یہ کہ تعمیرِ دنیا کی صلاحیت سے محروم ہیں، بلکہ وہ اپنے ایمانی زوال کی آخری حد پر پہنچ چکے ہیں۔ ان کے بارے میں اقبال کا یہ شعر پوری طرح صادق آتا ہے:

تیرے محیط میں کہیں، گوہرِ زندگی نہیں

ڈھونڈ چکا میں موج موج، دیکھ چکا صدف صدف

واضح ہو کہ عمل صالح سے مراد صرف عبادتی عمل نہیں ہے۔ اس میں وہ چیز بھی شامل ہے جس کے لیے ہم نے تعمیر دنیا کا لفظ استعمال کیا ہے۔ شخصی نجات کے لیے ایمان اور اخلاص کافی ہے، لیکن خلافتِ ارضی کا فیصلہ صرف ایمان اور اخلاص کی بنیاد پر نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس کا فیصلہ اُس عملِ صالح کی بنیاد پر کیا جاتا ہے جس میں دنیا کی مثبت تعمیر لازمی طور پر شامل ہو۔

2- سورہ الزمر میں موت کے وقت وفات کی بات معروف معنی میں موت کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ وہ شبہِ موت کے معنی میں ہے۔ اِس آیت کا مطلب دراصل یہ ہے کہ جس طرح نیند کی حالت میں روزانہ تم کو موت کا جزئی تجربہ ہوتا ہے، اُسی طرح آخرکار وہ دن آئے گا، جب کہ تم کو موت کا کلّی تجربہ

ہوگا۔ اِس آیت کا مقصد نیند کی حقیقت بتانا نہیں ہے، بلکہ ایک مثال کے ذریعے موت کو قابلِ فہم بنانا ہے۔ یہی اسلوب حدیث میں بھی موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نبوت ملی تو مکہ میں آپ نے اپنے پہلے خطاب میں فرمایا تھا: واللہ لتموتنّ کما تنامون، ولتبعثن کما تستیقظون (أنساب الأشراف للبلاذری، رقم الحدیث: 50) یعنی خدا کی قسم، تمھیں مرنا ہے جس طرح تم سوتے ہو، اور پھر تم کو دوبارہ اٹھنا ہے جس طرح تم جاگتے ہو۔

اصل یہ ہے کہ اِس آیت میں جو بات کہی گئی ہے، وہ بطور تمثیل ہے، نہ کہ بطور تبیین۔ اِس میں نیند کو موت سے تشبیہہ دی گئی ہے اور بعث بعد الموت کو بیداری کی مثال کے ذریعے قابلِ فہم بنایا گیا ہے۔ گویا کہ نیند ایک جزئی موت ہے، اور جزئی موت کی مثال سے کلی موت کو سمجھا جاسکتا ہے۔

3- سورہ نوح کی مذکورہ آیت کے بارے میں عرض ہے کہ اِس کے دو پہلو ہیں۔ اُس کا ایک پہلو یہ ہے کہ سماوات کی دنیا سات طبقوں میں تقسیم ہے۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ بے حد وسیع ہے، یہاں تک کہ کوئی شخص اس کی وسعت کا کامل اندازہ نہیں کرسکتا۔

جہاں تک تعداد کی زبان میں سماوات کے سات ہونے کا معاملہ ہے، وہ ابھی تک غیر معلوم ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، کیوں کہ ساری ترقی کے باوجود انسان، کائنات کے بارے میں بہت کم جانتا ہے۔ مثال کے طور پر جدید تحقیقات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ وسیع کائنات کا 95 فی صد سے زیادہ حصہ ناقابلِ مشاہدہ ہے۔ اِس ناقابلِ مشاہدہ حصۂ کائنات کو ڈارک میٹر (dark matter) یا بلیک ہول (black hole) کہا جاتا ہے۔

اِس معاملے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ کائنات بے حد وسیع ہے۔ اِس وسعت کا علم آج بھی انسان کو حاصل نہیں۔ مذکورہ آیت میں جو چیز بناءِ استدلال ہے، وہ سات کی گنتی نہیں ہے، بلکہ وہ کائنات کی وسعت ہے۔ یہ لامحدود وسعت ثابت کرتی ہے کہ اس کا خالق ایک انتہائی عظیم ہستی ہے۔ وہ بے پناہ قدرت اور طاقت کا حامل ہے۔ گنتی کے پہلو کو دوسری بہت سی غیر معلوم چیزوں کی طرح ایک غیر معلوم چیز مان لیا جائے تو خالق کی عظمت وقدرت کے ثبوت کے لیے سماوات کا ظاہرہ بالکل کافی ہے۔

سوال

آپ نے ”دارالاسلام، دارالکفر اوردارالحرب“ کے عنوان سے ماہ نامہ الرسالہ میں بار بار لکھا ہے۔ الرسالہ فروری 2010 میں ”اسلام کے نام پر غیر اسلام“ کے عنوان سے جو مضمون ہے، اس میں آپ نے اِن اصطلاحات پر کافی اچھی روشنی ڈالی ہے۔ الرسالہ دسمبر 2003 اور اپریل 2005 میں بھی اس موضوع پر آپ نے بحث کی ہے۔ ان مضامین نے میرے ذہن پر نہایت مثبت اثر ڈالا ہے۔ آپ کے مطابق، یہ اصطلاحیں سیاسی بدعت اور اجتہادی خطا کا درجہ رکھتی ہیں۔ مگر آپ کا یہ جملہ ”اِس لئے صحیح اسلامی نظریہ کے مطابق، صرف دو اصطلاحیں درست ہیں—— دار الاسلام اور دار الدعوہ“ (امن عالم، صفحہ 156) کنفیوژن پیدا کرتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ دار الاسلام کی اصطلاح اگر ایک سیاسی بدعت ہے تو پھر آپ کا یہ لکھنا کہ دارالاسلام کی اصطلاح درست ہے، کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ (رستم علی، پٹنہ، بہار)

جواب

دار الاسلام اور دار الکفر کی اصطلاحات کو بطور فقہی اصطلاحات مان لیا گیا ہے۔ مجھے اِس اصطلاح سازی سے اختلاف ہے۔ کیوں کہ اس قسم کی اصطلاح بعد کو عباسی دور میں اختیار کی گئی۔ اِس سے پہلے صحابہ اور تابعین کے زمانے میں اِس قسم کی قانونی اصطلاحات کا کوئی وجود نہ تھا۔

جہاں تک دار الانسان یا دار الدعوہ کا تعلق ہے، اُس کو میں نے متبادل فقہی اصطلاح کے طور پر تحریر نہیں کیا ہے۔ میرا مطلب صرف یہ ہے کہ اگر اِس معاملے میں اصطلاح بنانا ہو تو قرآن اور حدیث کی روشنی میں دار الانسان اور دار الدعوہ جیسی اصطلاح بنانا درست ہوسکتا ہے۔ میں نے اِس معاملے میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ موجودہ ممالک حکماً دار الانسان اور دار الدعوہ ہیں۔ میں نے یہ الفاظ اِس معاملے میں مسلمانوں کی ذمہ داری کو بتانے کے لیے استعمال کئے ہیں، نہ کہ فقہی معنوں میں اصطلاح سازی کے لیے۔

خبر نامہ اسلامی مرکز — 202

1- نئی دہلی کے سی این بی سی ٹی وی (CNBC) کے انگریزی چینل میں 4 مارچ 2010 کی شام کو ایک پینل ڈسکشن ہوا۔ اس کے اینکر مسٹر کرن تھاپر تھے۔ اس کے دعوتی پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی۔ مشہور آرٹسٹ فدا حسین کے حالیہ واقعہ کی روشنی میں اس کا موضوع یہ تھا:

Freedom of Expression and Religious Sentiments

صدر اسلامی مرکز نے اسلام کی روشنی میں موضوع پر اظہار خیال کیا۔ ان کی بات کا خلاصہ یہ تھا کہ اسلام میں مکمل آزادئ رائے ہے۔ اگر کسی بات سے کسی کے جذبات مجروح ہوتے ہیں تو وہ دلیل سے اس کو رد کرے نہ کہ اظہار خیال پر پابندی لگانے کا مطالبہ کرے۔ اختتامی ریمارک میں اینکر مسٹر کرن تھاپر نے صدر اسلامی مرکز کے بارے میں کہا:

Maulana sahab, you are truely the Voltaire of India.

2- الجامعۃ المصطفی (قُم، ایران) انٹرنیشنل یونی ورسٹی کی طرف سے 7-6 مارچ 2010 کو انڈیا اسلامک کلچرل سنٹر (لودھی روڈ، نئی دہلی) کے آڈی ٹوریم میں ایک سیمنار رہوا۔ اِس سیمنار کا موضوع یہ تھا:

Co-existence between Islam and Indian Religions

اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور موضوع پر انگریزی زبان میں ایک تقریر کی۔ اِس موقع پر سی پی ایس انٹرنیشنل کی طرف سے حاضرین کو مطالعے کے لیے قرآن کا انگریزی ترجمہ اور دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

3- ابوظبی (عرب امارات) میں 7-2 مارچ 2010 ایک انٹرنیشنل بک فیئر لگایا گیا۔ اِس بک فیئر میں گڈورڈ بکس (نئی دہلی) نے اپنا اسٹال لگایا۔ اِس موقع پر بڑی تعداد میں لوگوں کو قرآن کا انگریزی ترجمہ اور دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

4- دبئی (عرب امارات) میں 20-18 مارچ 2010 ایک انٹرنیشنل پیس کانفرنس ہوئی۔ اِس کانفرنس کا افتتاح دبئی کے ولی عہد شیخ ہمدان بن محمد نے کیا۔ کانفرنس کی جانب سے یہاں ایک اسلامی نمائش کا انتظام کیا گیا۔ یہاں گڈورڈ بکس (نئی دہلی) نے اپنا اسٹال لگایا۔ یہ انڈیا کا واحد بک اسٹال تھا۔ کثیر تعداد میں لوگ بک اسٹال پر آئے۔ امریکی نومسلم مسٹر یوسف ایسٹس (Yousuf Estes) کو صدر اسلامی مرکز کا انگریزی ترجمہ قرآن دیا گیا جس کو انھوں نے خوشی کے ساتھ قبول کیا۔ دونوں بک اسٹال کا انتظام شاہ عمران حسن نے سنبھالا۔

5- جاپانی ایمبسی کے فرسٹ سکریٹری مسٹر تکاشی ساتو (Takashi Garcia Sato) 7 اپریل 2010 کو اسلامی مرکز میں آئے۔ یہاں انھوں نے صدر اسلامی مرکز سے ملاقات کی۔ گفتگو کا موضوع ”ہندستانی مسلمانوں کے مسائل“ تھا۔ اِس موقع پر مسٹر تکاشی کو صدر اسلامی مرکز کی دوسری کتابوں کے علاوہ قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔

6- رابطہ عالم اسلامی کے ایک ذمے دار **الدکتور سعد بن علی الشہرانی (المدیر التنفیذی للملتقی العالمی للعلماء والمفکرین المسلمین)** 11 اپریل 2010 کو صدر اسلامی مرکز سے ملاقات کے

لیے آئے۔ اِس ملاقات میں انھوں صدر اسلامی مرکز سے مختلف ملی اور عالمی مسائل پر تبادلۂ خیال کیا۔ دکتور الشہرانی کو قرآن کا انگریزی ترجمہ اور صدر اسلامی مرکز کی نئ کتاب (The Prophet of Peace) دی گئی۔

7- گڑگاؤں میں 12 اپریل 2010 کی شام کو سی پی ایس کی ٹیم کے افراد پر مشتمل ایک دعوتی اور تربیتی پروگرام ہوا۔ یہ پروگرام مسٹر نودیب کپور کے مکان پر ہوا۔ اِس پروگرام میں صدر اسلامی مرکز نے دعوت الی اللہ کی اہمیت پر ایک تقریر کی۔ عشاء کی نماز کے بعد پروگرام ختم ہوا۔

8- I would like to thank you and CPS for sending translation of the Holy Quran. I received it on Saturday April 17, 2010. Maulana Waheeduddin Khan is one of the greatest Islamic scholars of the world. And his books are a source of great inspiration of thinking and beacon of guid ance for the Muslim world. I am sure this book, too, will be another pillar in the cap of Waheeduddin Khan for its clarity and facility of language. Thank you again for this holy gift. (Mahammad Bilal, Mardan, Pakistan)

صدر اسلامی مرکز کا انگریزی ترجمہ قرآن انڈیا اور انڈیا کے باہر بہت تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اس کا اندازہ حسب ذیل خطوط سے لگایا جاسکتا ہے:

9- I am writing from Kentucky, USA.We need 5000 English only Quran from your company to be distributed mostly to soldiers here. One of our members Dr. Adnan Sidiqqi's brother Saleem Sidiqqi from Canada has given your reference for ordering the books at minimum cost.

Alhamdulillah, as confirmed earlier, the Qurans were well distributed at a dawah event to non-Muslims. (Raza Malik, USA)

10- We a group of local Muslims (based in Northampton, UK), made up of reverts and born Muslim brothers and sisters, engaged in dawah through raising awareness of Islam, Our activities at present involve holding seminars and talks at various locations i.e. schools, colleges, community events and mainstream local council events. As part of this initiative we present our guests with a gift pack containing a copy of the Quran in English and various dawah leaflets.I require another 500 copies of the translation by Maulana Wahiduddin Khan for another similar dawah event in March 2010. (Sr Shefa, Northampton, UK)

11- I received the books I ordered only 4 days ago today! Thanks so much and thanks for the complimentary copy of Maulana's Quran translation; I will be giving it to one of my Social Work students who first told me about Goodword Books through her reading of a Quran

translation by Yusuf Ali which you publish and which has an introduction by Maulana W. Khan which I found so profound and inspiring. I will definitely be ordering more volumes from you. (Brian McInerney, USA)

مذکورہ لوگوں کو قرآن کے انگریزی ترجمے کی مطلوبہ کاپیاں روانہ کردی گئی ہیں۔

12- الحمدللہ میں یہاں پر خیریت سے ہوں اور آپ کی خیر وعافیت کا متمنی ہوں۔ عرض ایں کہ برطانیہ میں تقریباً 25 سال سے آپ کے موقر ماہنامہ الرسالہ کا قاری ہوں۔ آپ کا ماہ نامہ اکثر وبیشتر ایک ماہ قبل IPCI بک شاپ پہنچ جاتا ہے اور دو تین ہفتے قبل تو عموماً پہنچ جاتا ہے جب کہ اکثر ماہنامے مہینہ شروع ہونے کے دو تین ہفتوں بعد پہنچتے ہیں، اس اعتبار سے آپ کی یہ ایک انفرادی خصوصیت ہے کہ آپ کا ماہ نامہ مہینہ شروع ہونے سے کئی ہفتے پہلے پہنچ جاتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ آپ کو مکمل صحت وعافیت کے ساتھ لمبی زندگی عطا فرمائے تا کہ امت مسلمہ آپ کے اجتہادات اور آپ کے فیوض قلم سے استفادہ کرتی رہے۔ اللہ آپ کے رفقاء کار کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے جو آپ ہی کی طرح مستعد اور نشیط ہیں۔ میرے نزدیک، آپ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے فقہی جمود اور تعطّل کو ختم کرکے نئے نئے اجتہادات کے مستنباط سے قوم وملت کو نوازا ہے۔ آپ نے ''خطائے بزرگاں گرفتن خطاست'' کے غلط فارمولہ کو ''خطائے بزرگاں گرفتن رواست'' سے تبدیل فرما کر امت پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ میری جانب سے ثانی اثنین خاں اور ڈاکٹر فریدہ خانم صاحبہ اور آپ کے ادارہ کے رفقاء کار کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ (ڈاکٹر عبدالرب ثاقب، ناظم شعبہ نشر واشاعت، مرکزی جمعیۃ اہل حدیث، برطانیہ)

13- الرسالہ مشن کے تحت 3-2 اپریل 2010 کو ایک دوروزہ پروگرام کیا گیا۔ اِس دوروزہ پروگرام کا انعقاد نئی دہلی کے انڈیا انٹرنیشنل سنٹر میں کیا گیا۔ اُس کا عنوان یہ تھا:

Dawah Meet 2010

اِس دوروزہ دعوہ میٹ میں الرسالہ مشن سے وابستہ منتخب افراد شریک ہوئے۔ ان کی تعداد تقریباً 80 تھی۔ اِس موقع پر صدر اسلامی مرکز کی تین تقریریں ہوئیں۔ اِس کے علاوہ لوگوں کو یہ موقع دیا گیا کہ دعوت کی نسبت سے وہ اپنے احساسات اور تجربات بیان کریں۔ یہ پروگرام غیر معمولی طور پر موثر تھا۔ اکثر لوگ روتے ہوئے دیکھے گئے۔ اِس پروگرام کا ایک خاص جزیہ تھا کہ لوگوں کے مشورے کے تحت صدر اسلامی مرکز نے ایک نئے دعوتی شعبہ کا افتتاح کیا۔ اس کا باقاعدہ نام ''القرآن مشن'' ہے۔ القرآن مشن کی اپنی ویب سائٹ ہے۔ القرآن مشن خصوصی طور پر اُس کام کے لیے قائم کیا گیا ہے جس کو حدیث میں ''ادخالِ کلمہ'' کہا گیا ہے، یعنی تمام انسانوں تک خدا کے کلام کو پہنچانا:

Global dissemination of the word of God (Quran)

Al-Quran Mission

The Quran is the only preserved text of the divine message for the guidance of mankind. Every book has its objective and the objective of the Quran is to make man aware of the Creation plan of God. That is, to tell man why God created this world; what the purpose is of settling man on earth; what is required from man in his pre-death life span, and what he is going to confront after death. The purpose of the Quran is to make man aware of this reality, thus serving to guide man on his entire journey through life into the after-life.

The Prophet of Islam observed that, before Doomsday, the Word of God would enter all homes, big or small. According to the divine plan, it is, therefore, destined that God's Word will reach all mankind, so that all human beings may become aware before the onset of Doomsday as to what God's creation plan was for man. Al-Quran Mission is the realization of this hadith. This Mission was launched by Maulana Wahiduddin Khan, President of the Islamic Centre, at the India International Centre, in New Delhi , on April 2, 2010. Al-Quran Mission is the mission of *Idkhal-e-Quran*, i.e. to have the Quran enter every home.

Idkhal-e-Quran is the responsibility of each and every Muslim. This duty has been assigned to the Muslims by the Prophet Muhammad himself:

"Allah has sent me as His messenger for all mankind. So do not differ with one another. And spread in the land and communicate my message to people inhabiting other places besides Arabia ." –*Seerat Ibn Hisham* 4/279

Since there is no other prophet who is to come to the world after the Prophet Muhammad, it is obligatory for all Muslims, as members of the Prophet's Ummah, to perform this task. Our very eligibility to the Ummat-e-Muhammadi depends upon it.

In present times, the progress of communications has made it possible for the Word of God to reach all men and women inhabiting the globe. Al-Quran Mission has been launched for this very purpose. Our aim is to fulfill this prediction of God's Word entering all homes with the help of print and the electronic media until finally the Quran becomes a book known to all the people inhabiting this earth.

Those who want to participate in this divine mission may send us their name, complete address, phone/mobile number and email address to:

CPS International
1, Nizamuddin West Market, New Delhi-110013, India
or email it to us at:info@alquranmission.org

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر، مولانا وحیدالدین خاں کے قلم سے

اللہ اکبر
اتحادِ ملت
احیاء اسلام
اسباق تاریخ
اسفار ہند
اسلام: ایک تعارف
اسلام: ایک عظیم جدوجہد
اسلام اور عصر حاضر
اسلام پندرہویں صدی میں
اسلام دورِ جدید کا خالق
اسلام دینِ فطرت
اسلام کا تعارف
اسلام کیا ہے
اسلامی تعلیمات
اسلامی دعوت
اسلامی زندگی
اقوالِ حکمت
الاسلام
الربانیۃ
*امن عالم
امہات المومنین
انسان اپنے آپ کو پہچان
*انسان کی منزل
ایمانی طاقت
آخری سفر
باغ جنت
پیغمبر اسلام
پیغمبر انقلاب
تذکیر القرآن (مکمل)
تاریخ دعوت حق
تاریخ کا سبق
تبلیغی تحریک
تجدید دین
تصویر ملت
تعارف اسلام
تعبیر کی غلطی
تعدد ازواج
تعمیر انسانیت

تعمیر حیات
تعمیر کی طرف
تعمیر ملت
حدیث رسول
حقیقت حج
حقیقت کی تلاش
حل یہاں ہے
حیات طیبہ
خاتونِ اسلام
خدا اور انسان
خلیج ڈائری
دعوت اسلام
دعوت حق
دین انسانیت
دین کامل
دین کی سیاسی تعبیر
دین کیا ہے
*دین وشریعت
دینی تعلیم
ڈائری 1983-84
ڈائری 1989-90
ڈائری 1991-92
*ڈائری 1993-94
رازِ حیات
راہِ عمل
راہیں بند نہیں
روشن مستقبل
رہنمائے حیات (کتابچہ)
*رہنمائے حیات
زلزلۂ قیامت
سبق آموز واقعات
سچا راستہ
سفرنامہ اسپین وفلسطین
سفرنامہ (غیر ملکی اسفار، جلد اول)
سفرنامہ (غیر ملکی اسفار، جلد دوم)
سوشلزم اور اسلام
سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ
*سیرتِ رسول

شتم رسول کا مسئلہ
صراطِ مستقیم
صوم رمضان
طلاق اسلام میں
ظہور اسلام
عظمت اسلام
عظمت صحابہ
عظمت قرآن
عظمتِ مومن
عقلیاتِ اسلام
علما اور دور جدید
*عورت معمارِ انسانیت
فسادات کا مسئلہ
فکر اسلامی
قال اللہ وقال الرسول
قرآن کا مطلوب انسان
قیادت نامہ
کاروانِ ملت
کتاب زندگی
مارکسزم: تاریخ جس کو رد کر چکی ہے
مذہب اور جدید چیلنج
مذہب اور سائنس
*مسائل اجتہاد
مضامین اسلام
*مطالعۂ حدیث
*مطالعۂ سیرت (کتابچہ)
*مطالعۂ سیرت
*مطالعۂ قرآن
منزل کی طرف
*مولانا مودودی شخصیت اور تحریک
میوات کا سفر
نار جہنم
نشری تقریریں
ہندستان آزادی کے بعد
ہندستانی مسلمان
*ہند-پاک ڈائری
یکساں سول کوڈ

* نئی کتابیں

ایجنسی الرسالہ

الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ الرسالہ (اردو) کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ الرسالہ (انگریزی) کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہنچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہنچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہنچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملّت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوت ہے اور ملت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

1- الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن 25 فی صد ہے۔ 100 پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن 33 فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔

2- زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔

3- کم تعداد والی ایجنسی کے لئے ادائیگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحبِ ایجنسی ہر ماہ یا دو تین ماہ بعد اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینے میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔
